جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

القرآن الحکیم ۱۲:۶۵

النور

امان-شہادت ۱۳۸۸ ہش
مارچ-اپریل ۲۰۰۹ء

مسیح موعود نمبر

Baitul Hamd Mosque, Wittlich, Germany

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لا یُخْرِجُھُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط (2:258)

النــــور

مارچ۔اپریل 2009

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، تعلیمی، تربیّتی اور ادبی مجلّہ

لکھنے کا پتہ:
Editors Ahmadiyya Gazette
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905
karimzirvi@yahoo.com

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ط قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ط اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ج فَمَا لَكُمْ قف كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ O (یونس:36)

پوچھ کہ کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی طرف ہدایت دے؟ کہہ دے اللہ ہی ہے جو حق کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ پس کیا وہ جو حق کی طرف ہدایت دیتا ہے زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو ہدایت نہیں پا سکتا مگر محض اس صورت میں کہ اسے ہدایت دی جائے؟ پس تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔

{700 احکامِ خداوندی صفحہ 53}

فہرس

قرآن کریم	2
احادیث مبارکہ	3
ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام	4
کلام امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام	5
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی تقریر بر موقعہ جلسہ سالانہ 25 دسمبر 1897	6
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مہمان نوازی کے ایمان افروز واقعات	17
دو خط، دو جذبے	30
حضرت امیر بی بی صاحبہؓ عرف مائی کاکو	38
نظم۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُر معارف فارسی منظوم کلام پر تضمین، چودھری محمد علی مضطرؔ عارفی	41
تعلیم الاسلام کالج کے تین خوش نصیب، شہید طالب علم	42
مکرم سعید احمد صاحب کوٹری راہِ مولیٰ میں قربان ہو گئے	46
کیٹا کومبز۔ اصحابِ کہف کی غاریں	47

قرآن کریم

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ O

(القصص : 6)

اور ہم نے ارادہ کر رکھا تھا کہ جن لوگوں کو ملک میں کمزور سمجھا گیا تھا اُن پر احسان کریں اور ان کو سردار بنادیں اور ان کو (تمام نعمتوں کا) وارث کردیں۔

تفسیر بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ :

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ : اس میں سمجھایا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے تئیں ضعیف بنالیں غضب سے کام نہ لیں ہم خود ان کے ناصر ومعاون بن جاتے ہیں۔
وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً: قرآن مجید میں دوسرے مقام پر فرمایا کہ امام انسان اس وقت بنتا ہے جبکہ لوگوں کو ہدایت دے اور صبر سے کام لے۔ اور ہماری آیات پر یقین پیدا کرے۔۔۔

خدا جو کہ قادر ومقتدر ہستی اور ربّ العٰلمین ہے اس نے یہ قاعدہ بنایا ہے کہ مامورین اور مرسلوں کے ساتھ ابتداء میں معمولی اور غریب لوگ ہی ہوا کرتے ہیں اور جتنے اکابر اور بڑے بڑے مدبّر کہلانے والے ہوتے ہیں وہ ان کے مقابل میں کھڑے کردیئے جاتے ہیں تا کہ وہ اپنی سفلی کوششیں اُن کے نابود کردینے میں صرف کرلیں۔ اور اپنے سارے زوروں سے اُن مرسلوں کی بیخ کنی کے منصوبے کرلیں۔ پھر ان کو ذلیل اور پست کردیا جاتا ہے۔ اور خدا کے بندوں کی فتح اور نصرت ہوتی ہے اور وہی آخر کار مظفر ومنصور ہوتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ تا کوئی خدائی سلسلہ پر احسان نہ رکھے۔ بلکہ خدا کی قدرت نمائی اور ذرّہ نوازی کا ایک بیّن ثبوت ہو کر ان مومن ضعفاء کے دلوں میں ایمان ترقی ہو اور ان کے دلوں میں خدا کے عطایا اس کی قدرتوں اور کرموں کے گُن گانے کے جوش پیدا ہوں۔

پس تم اس خیال کو کبھی بھی دل میں جگہ نہ دو کہ اکابر اور بڑے بڑے مالدار اور روٴوسائے عظام تمہارے ساتھ نہیں ہیں اگر تم ذلیل ہو تو تم سے پہلے بھی کئی گروہ تمہاری طرح کے ذلیل گزرے ہیں۔ مگر آخر کار کامیابی کا تمغہ ایسے پاک اور مومن ذلیلوں کو عطا کیا جاتا ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون کیسا زبردست اور جبروت والا بادشاہ تھا مگر خدا نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ فرمایا کہ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ کس طرح سے ان ضعیف اور کمزور لوگوں کو اپنے احسان سے امام اور بادشاہ بنادیا۔ دیکھو یہ باتیں صرف کہنے ہی کی نہیں بلکہ عمل کرنے کی ہیں۔ عمل کے اصول کے واسطے کہنے والوں پر حسنِ ظن ہونا ضروری اور لازمی امر ہے۔ اگر دل میں ہو کہ کہنے والا مرتد فاسق وفاجر ہے، منافق ہے تو پھر نصیحت سے فائدہ اٹھانا معلوم! اور عمل کرنا ظاہر! بعض اوقات شیطان اس طرح سے بھی حملہ کرتا ہے اور نصیحت سے فائدہ اٹھانے سے محروم کردیتا ہے کہ دل میں نصیحت کرنے والے کے متعلق بدظنی پیدا کردیتا ہے پس اس سے بچنے کے واسطے بھی وہی ہتھیار ہے جس کا نام دُعا اور دردمند دل کی اور سچی تڑپ سے نکلی ہوئی دُعا ہے۔

(حقائق الفرقان جلد سوم صفحات 307-309)

۔۔۔۔احادیث مبارکہ۔۔۔۔

عَنِ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم: یُوْشِکُ اَنْ یَّاتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَایَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّااسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْآنِ اِلَّا رَسْمُہٗ مَسَاجِدُھُمْ عَامِرَۃٌ وَّ ھِیَ خَرَابٌ مِنَ الْھُدٰی عُلَمَآءُ ھُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِھِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَۃُ وَفِیْھِمْ تَعُوْدُ۔

(مشکوۃ کتاب العلم الفضل الثالث صفحہ38کنز العمال صفحہ 6)

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے سوا اسلام کا کچھ باقی نہ رہے گا۔ الفاظ کے سوا قرآن کا کچھ باقی نہ رہے گا۔ اس زمانہ کے لوگوں کی مسجدیں بظاہر تو آباد نظر آئیں گی لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی ان کے علماء آسمان کے نیچے بسنے والی مخلوق میں سے بدترین مخلوق ہوں گے۔ ان میں سے ہی فتنے اٹھیں گے اور ان میں ہی لوٹ جائیں گے یعنی تمام خرابیوں کا وہی سرچشمہ ہوں گے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْھُمْ: قُلْنَا: یَارَسُوْلَ اللہِ! اَلْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی، قَالَ: فَمَنْ؟

(بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من کان قبلکم)

حضرت ابوسعید خُدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ اپنے سے پہلی اقوام کے طور طریقوں کی اس طرح پیروی کرو گے کہ سرمو فرق نہ ہوگا۔ اس طرح جس طرح ایک بالشت دوسری بالشت کی طرح اور ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کی طرح ہوتا ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر بالفرض وہ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے تو تم بھی گوہ کے سوراخ میں داخل ہونے کی کوشش کرو گے ہم نے عرض کیا۔ حضورؐ آپ کی مراد یہود و نصارٰی سے ہے؟ آپؐ نے فرمایا اور کس سے یعنی مسلمان یہود و نصارٰی کی طرح بے غیرت اور اخلاقی اقدار سے دُور ہو جائیں گے۔

۔۔۔۔ارشاداتِ عالیہ۔۔۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

ہزار ہزار شکر اس قادرِ مطلق کا جس نے انسان کی رُوح اور ہر یک مخلوق اور ہر ذرّہ کو محض اپنے ارادہ کی طاقت سے پیدا کر کے وہ استعدادیں اور قوتیں اور خاصیتیں اُن میں رکھیں جن پر غور کرنے سے ایک عجیب عالم عظمت اور قدرتِ الٰہی کا نظر آتا ہے اور جن کے دیکھنے اور سوچنے سے معرفتِ الٰہی کا دروازہ کھلتا ہے۔ اُسی قادرِ توانا کی مدح اور حمد میں محو رہنا چاہیئے جس کی ایجاد کے بغیر کوئی ایک چیز بھی موجود نہیں ہوئی وہی ایک ذات عجیب الحکمت وعظیم القدرت ہے جس کے فقط حکمی طاقت سے جو کچھ وجود رکھتا ہے پیدا ہو گیا۔ ہر ایک ذرّہ

انت ربّی انت رَبّی

کی آواز سے زبان کشا ہے۔ ہر ایک جان

انت مالکی انت مالکی

کی شہادت سے نغمہ سرا ہے۔ وہی حکیم مطلق ہے جس نے انسانی روحوں کو ایک ایسا پُر منفعت جسم بخشا کہ جو اس جہان میں کمالات حاصل کرنے اور اُس جہان میں اُن کا پورا پورا حظ اُٹھانے کیلئے بڑا بھارا یار و مددگار ہے۔ روح اور جسم دونوں مل کر اس کے وجود کو ثابت کر رہے ہیں۔ اور ظاہری باطنی دونوں قوتیں اس کی شہادت دے رہی ہیں۔ وہی محسنِ حقیقی ہے جس نے وفاداری سے ایمان لانے والوں کو ہمیشہ کی رُستگاری کی خوشخبری دی اور اپنے صادق عارفوں اور سچے محبوں کیلئے اس جنتِ دائمی کا وعدہ دیا جو بدرجہء اکمل واتم مظہر العجائب ہے جس کی نہریں اسی دنیوی حیات میں جوش مارنا شروع کرتی ہیں۔ جس کے درخت اسی جگہ کی آبپاشی سے نشوونما پاتے جاتے ہیں۔ اُس کی قدرت وحکمت ہر جگہ اور ہر چیز میں موجود ہے اور اُس کی حفاظت جو ہر یک چیز کے شاملِ حال ہے اُس کی عام خالقیّت پر گواہ ہے۔ اُس کی حکیمانہ طاقتیں بے انتہا ہیں کون ہے جو اُن کی تہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کی قادرانہ حکمتیں عمیق در عمیق ہیں۔ کون ہے جو اُن پر احاطہ کر سکتا ہے۔ ہر یک چیز کے اندر اُسکے وجود کی گواہی چھپی ہوئی ہے۔ ہر یک مصنوع اُس صانع کامل کی راہ دکھلا رہا ہے۔ موجود بوجود حقیقی وہ ایک ربّ العٰلمین ہے اور باقی سب اُس سے پیدا اور اُسکے سہارے سے قائم اور اس کی قدرتوں کے نقشِ قدم ہیں۔

(روحانی خزائن ، جلد 2 سرمہ چشم آریہ صفحات 2-4)

۔۔۔۔کلام امام الزمان۔۔۔۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

وقت ہے توبہ کرو جلدی مگر کچھ رحم ہو! سُست کیوں بیٹھے ہو جیسے کوئی پی کر کوکنار

تم نہیں لوہے کے کیوں ڈرتے نہیں اس وقت سے جس سے پڑ جائے گی اک دم میں پہاڑوں میں بُغار

وہ تباہی آئے گی شہروں پہ اور دیہات پر جس کی دُنیا میں نہیں ہے مثل کوئی زینہار

ایک دم میں غم کدے ہوجائیں گے عشرت کدے شادیاں کرتے تھے جو پیٹیں گے ہو کر سوگوار

وہ جو تھے اونچے محل اور وہ جو تھے قصرِ بریں پست ہوجائیں گے جیسے پست ہو اِک جائے غار

ایک ہی گردش سے گھر ہوجائیں گے مٹی کا ڈھیر جس قدر جانیں تلف ہونگی نہیں ان کا شمار

پر خُدا کا رحم ہے کوئی بھی اس سے ڈر نہیں اُن کو جو جُھکتے ہیں اس درگہ پہ ہو کر خاکسار

یہ خوشی کی بات ہے سب کام اس کے ہاتھ ہے وہ جو ہے دھیما غضب میں اور ہے آمرزگار

کب یہ ہوگا؟ یہ خدا کو علم ہے پر اس قدر دی خبر مجھ کو کہ وہ دن ہوں گے ایّامِ بہار

''پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی'' یہ خدا کی وحی ہے اب سوچ لو اے ہوشیار

یاد کر فرقاں سے لفظِ زُلْـزِلَـتْ زِلْـزَالَـهَـا ایک دن ہوگا وہی جو غیب سے پایا قرار

سخت ماتم کے وہ دن ہونگے مصیبت کی گھڑی لیک وہ دن ہونگے نیکوں کیلئے شیریں ثمار

آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے جو کہ رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار

انبیاء سے بُغض بھی اے غافلو اچھا نہیں دُور تر ہٹ جاؤ اس سے یہ ہے شیروں کی کچھار

کیوں نہیں ڈرتے خدا سے کیسے دل اندھے ہوئے بے خدا کوئی نہیں بدقسمتو کوئی بہار

یہ نشانِ آخری ہے کام کر جائے مگر ورنہ اب باقی نہیں ہے تم میں امیدِ سدھار

فرمودات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یہ بھی ایک علامت متقی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی کو نابکار ضرورتوں کا محتاج نہیں کرتا

اھل اللہ مصائب و شدائد کے بعد درجات پاتے ھیں

جو دل ناپاک ہے خواہ قول کتنا ہی پاک ہو وہ دل خدا کی نگاہ میں قیمت نہیں پاتا۔ بلکہ خدا کا غضب مشتعل ہوگا۔ پس میری جماعت سمجھ لے کہ وہ میرے پاس آئے ہیں اسی لئے کہ تخمریزی کی جاوے جس سے وہ پھلدار درخت ہوجائے۔

(حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی تقریر برموقعہ جلسہ سالانہ 25 دسمبر 1897)

حضورؑ نے فرمایا:

تقویٰ کی بابت نصیحت

اپنی جماعت کی خیرخواہی کیلئے زیادہ ضروری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ تقویٰ کی بابت نصیحت کی جاوے، کیونکہ یہ بات عقلمند کے نزدیک ظاہر ہے کہ بجز تقویٰ کے اور کسی بات سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّالَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ۝

(النحل: 129)

ہماری جماعت کیلئے خاص کر تقویٰ کی ضرورت ہے۔ خصوصاً اس خیال سے بھی کہ وہ ایک ایسے شخص سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے سلسلہ بیعت میں ہیں جس کا دعویٰ ماموریت کا ہے تا وہ لوگ جو خواہ کسی قسم کے بغضوں، کینوں یا شرکوں میں مبتلا تھے یا کیسے ہی رُوبہ دُنیا تھے، اُن تمام آفات سے نجات پاویں۔

آپ جانتے ہیں کہ اگر کوئی بیمار ہوجاوے خواہ اس کی بیماری چھوٹی ہو یا بڑی اگر اُس بیماری کیلئے دوا نہ کی جاوے اور علاج کیلئے دُکھ نہ اُٹھایا جاوے بیمار اچھا نہیں ہوسکتا۔ ایک سیاہ داغ منہ پر نکل کر ایک بڑا فکر پیدا کر دیتا ہے کہ کہیں یہ داغ بڑھتا بڑھتا کُل مُنہ کو کالا نہ کردے۔ اسی طرح معصیت کا سیاہ داغ دل پر ہوتا ہے۔ صغائر سہل انگاری سے کبائر ہوجاتے ہیں۔ صغائر وہی داغ چھوٹا ہے جو بڑھ کر آخر کار کُل مُنہ کو سیاہ کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے ویسا ہی قہّار اور منتقم بھی ہے۔ ایک جماعت کو دیکھتا ہے کہ اُن کا دعویٰ اور لاف و گزاف تو بہت کچھ ہے اور اُن کی عملی حالت ایسی نہیں تو اس کا غیظ و غضب بڑھ جاتا ہے۔ پھر ایسی جماعت کی سزادہی کیلئے وہ کفّار کو ہی تجویز کرتا ہے۔ جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ کئی دفعہ مسلمان کافروں سے تہہِ تیغ کئے گئے۔ جیسے چنگیز خاں اور ہلاکو خاں نے مسلمانوں کو تباہ کیا؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے حمایت اور نصرت کا وعدہ کیا ہے، لیکن پھر بھی مسلمان مغلوب ہوئے۔ اس قسم کے واقعات بسا اوقات پیش آئے۔ اس کا باعث یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ لَااِلٰہَ

اِلَّا اللّٰہُ تو پکارتی ہے لیکن اس کا دل اور طرف ہے اور اپنے افعال سے وہ بالکل رُوبدُ نیا ہے تو پھر اُس کا قہر اپنا رنگ دکھاتا ہے۔

قول وفعل میں مطابقت

اللہ کا خوف اسی میں ہے کہ انسان دیکھے کہ اُس کا قول وفعل کہاں تک ایک دوسرے سے مطابقت رکھتا ہے پھر جب دیکھے کہ اس کا قول وفعل برابر نہیں تو سمجھ لے کہ مورِدِغضبِ الٰہی ہوگا۔ جو دل ناپاک ہے خواہ قول کتنا ہی پاک ہو وہ دل خدا کی نگاہ میں قیمت نہیں پاتا۔ بلکہ خدا کا غضب مشتعل ہوگا۔ پس میری جماعت سمجھ لے کہ وہ میرے پاس آئے ہیں اسی لئے کہ تخم ریزی کی جاوے جس سے وہ پھلدار درخت ہو جائے۔ پس ہر ایک اپنے اندر غور کرے کہ اس کا اندرونہ کیسا ہے؟ اور اس کی باطنی حالت کیسی ہے؟ اگر ہماری جماعت بھی خدانخواستہ ایسی ہے کہ اُس کی زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے تو پھر خاتمہ بالخیر نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جب دیکھتا ہے کہ ایک جماعت جو دل سے خالی ہے اور زبانی دعوے کرتی ہے۔ وہ غنی ہے وہ پرواہ نہیں کرتا۔ بدر کی فتح کی پیشگوئی ہو چکی تھی، ہر طرح فتح کی اُمید تھی، لیکن پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رو رو کر دُعا مانگتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے عرض کیا کہ جب ہر طرح فتح کا وعدہ ہے تو پھر ضرورتِ الحاح کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ ذات غنی ہے یعنی ممکن ہے کہ وعدۂ الٰہی میں کوئی مخفی شرائط ہوں۔

برکاتِ تقویٰ

پس ہمیشہ دیکھنا چاہیئے کہ ہم نے تقویٰ وطہارت میں کہاں تک ترقی کی ہے۔ اس کا معیار قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متقی کے نشانوں میں ایک یہ بھی نشان رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی کو مکروہاتِ دُنیا سے آزاد کر کے اُس کے کاموں کا خود کفیل ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ فرمایا:

وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ

(الطلاق: 4,3)

جو شخص خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ ہر ایک مصیبت میں اس کیلئے راستہ مخلصی کا نکال دیتا ہے اور اس کیلئے ایسے روزی کے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے علم وگمان میں نہ ہوں۔

یعنی یہ بھی ایک علامت متقی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی کو نابکار ضرورتوں کا محتاج نہیں کرتا۔ مثلاً ایک دوکاندار یہ خیال کرتا ہے کہ دروغگوئی کے سوا اس کا کام ہی نہیں چل سکتا، اس لئے وہ دروغگوئی سے باز نہیں آتا اور جھوٹ بولنے کیلئے وہ مجبوری ظاہر کرتا ہے لیکن یہ امر ہرگز سچ نہیں۔ خدا تعالیٰ متقی کا خود محافظ ہو جاتا ہے اور اُسے ایسے مواقع سے بچا لیتا ہے جو خلافِ حق پر مجبور کرنے والے ہوں۔ یاد رکھو جب اللہ تعالیٰ کو کسی نے چھوڑا، تو خدا نے اُسے چھوڑ دیا۔ جب رحمان نے چھوڑ دیا، تو ضرور شیطان اپنا رشتہ جوڑے گا۔
یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کمزور ہے۔ وہ بڑی طاقت والا ہے۔ جب اس پر کسی امر میں بھروسہ کرو گے وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ

(الطلاق:4)

لیکن جو لوگ ان آیات کے پہلے مخاطب تھے وہ اہلِ دین تھے۔ اُن کی ساری فکریں محض دینی اُمور کیلئے تھیں اور دنیوی امور حوالہ بخدا تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ غرض برکاتِ تقویٰ میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی کو ان مصائب سے مخلصی بخشتا ہے جو دینی اُمور میں حارج ہوں۔

متّقی کیلئے روحانی رزق

ایسا ہی اللہ تعالیٰ متّقی کو خاص طور پر رزق دیتا ہے یہاں میں معارف کے رزق کا ذکر کروں گا۔ آنحضرت ﷺ کو باوجود اُمّی ہونے کے تمام جہان کا مقابلہ کرنا تھا، جس میں اہلِ کتاب، فلاسفر، اعلیٰ درجہ کے علمی مذاق والے لوگ اور

عالم فاضل شامل تھے، لیکن آپؑ کو روحانی رزق اس قدر ملا کہ آپؑ سب پر غالب آئے اور اُن سب کی غلطیاں نکالیں۔

یہ روحانی رزق تھا جس کی نظیر نہیں۔ متقی کی شان میں دوسری جگہ یہ بھی آیا ہے:

اِنْ اَوْلِیَآ ؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ۔۔

(الانفال:35)

اللہ تعالیٰ کے ولی وہ ہیں جو متقی ہیں،

یعنی اللہ تعالیٰ کے دوست۔ پس یہ کیسی نعمت ہے کہ تھوڑی سی تکلیف سے خدا کا مقرب کہلائے۔ آج کل زمانہ کس قدر پست ہمت ہے۔ اگر کوئی حاکم یا افسر کسی کو یہ کہدے کہ تو میرا دوست ہے، یا اُس کو کرسی دے اور اُس کی عزت کرے، تو وہ شیخی کرتا ہے۔ فخر کرتا پھرتا ہے، لیکن اُس انسان کا کس قدر افضل رتبہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ اپنا ولی یا دوست کہہ کر پکارے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ وعدہ فرمایا ہے جیسے کہ ایک حدیث بخاری میں وارد ہے:

لَایَزَالُ یَتَقَرَّبُ عَبْدِیْ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا وَلَئِنْ سَأَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَلَئِنْ اِسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ۔

(صحیح بخاری جُز رابع۔ باب التوضع)

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا ولی ایسا قرب میرے ساتھ بذریعہ نوافل پیدا کرلیتا ہے۔

فرائض اور نوافل

انسان جس قدر نیکیاں کرتا ہے اس کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک فرائض، دوسرے نوافل۔ فرائض یعنی جو انسان پر فرض کیا گیا ہو جیسے قرضہ کا اُتارنا یا نیکی کے مقابل نیکی۔ ان فرائض کے علاوہ ہر ایک نیکی کے ساتھ نوافل ہوتے ہیں یعنی ایسی نیکی جو اس کے حق سے فاضل ہو۔ جیسے احسان کے مقابل احسان کے علاوہ اور احسان کرنا۔ یہ نوافل ہیں۔ یہ بطور مُکمّلات اور مُتمّمات فرائض کے ہیں۔ اس حدیث میں بیان ہے کہ اولیاء اللہ کے دینی فرائض کی تکمیل نوافل سے ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کے علاوہ اور صدقات دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کا ولی ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُس کی دوستی یہاں تک ہوتی ہے کہ مَیں اُس کے ہاتھ، پاؤں حتّٰی کہ اس کی زبان ہوجاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔

ہر ایک فعل خدا کی منشاء کے مطابق ہو

بات یہ ہے کہ جب انسان جذباتِ نفس سے پاک ہوتا اور نفسانیت چھوڑ کر خدا کے ارادوں کے اندر چلتا ہے اس کا کوئی فعل ناجائز نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک فعل خدا کی منشاء کے مطابق ہوتا ہے۔ جہاں لوگ ابتلاء میں پڑتے ہیں وہاں یہ امر ہمیشہ ہوتا ہے کہ وہ فعل خدا کے ارادہ سے مطابق نہیں ہوتا۔ خدا کی رضا اس کے برخلاف ہوتی ہے۔ ایسا شخص اپنے جذبات کے نیچے چلتا ہے۔ مثلاً غصہ میں آکر کوئی ایسا فعل اس سے سرزَد ہوجاتا ہے جس سے مقدّمات بن جایا کرتے ہیں۔ فوجداریاں ہوجاتی ہیں، مگر اگر کسی کا یہ ارادہ ہو کہ بلا استصواب کتاب اللہ اس کا حرکت وسکون نہ ہوگا اور اپنی ہر ایک بات پر کتاب اللہ کی طرف رجوع کرے گا، تو یقینی امر ہے کہ کتاب اللہ مشورہ دے گی۔ جیسے فرمایا:

وَلَارَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ O

(الانعام: 60)

سو اگر ہم یہ ارادہ کریں کہ ہم مشورہ کتاب اللہ سے لیں گے تو ہم کو ضرور مشورہ ملے گا، لیکن جو اپنے جذبات کا تابع ہے۔ وہ ضرور نقصان ہی میں پڑے گا۔ بسا اوقات وہ اس جگہ مؤاخذہ میں پڑے گا۔ سو اس کے مقابل اللہ نے فرمایا کہ ولی جو میرے ساتھ بولتے چلتے کام کرتے ہیں۔ وہ گویا اس میں محو ہیں۔ سو جس قدر کوئی محویت میں کم ہے وہ اتنا ہی خدا سے دُور ہے، لیکن اگر اُس کی محویّت ویسی ہی ہے جیسے خدا نے فرمایا تو اس کے ایمان کا اندازہ نہیں۔ اُن کی

حمایت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ عَادَ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ

(الحدیث)

جوشخص میرے ولی کا مقابلہ کرتا ہے وہ میرے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔

اب دیکھ لوکہ مُتقی کی شان کس قدر بلند ہے اور اس کا پایہ کس قدر عالی ہے جس کا قُرب خدا کی جناب میں ایسا ہے کہ اس کا ستایا جانا خدا کا ستایا جانا ہے تو خدا اس کا کس قدر معاون و مددگار ہوگا۔

متّقی کے پاس جو آجاتا ہے وہ بھی بچایا جاتا ہے

لوگ بہت سے مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں لیکن متقی بچائے جاتے ہیں بلکہ اُن کے پاس جو آجاتا ہے وہ بھی بچایا جاتا ہے۔ مصائب کی کوئی حد نہیں۔ انسان کا اپنا اندر اس قدر مصائب سے بھرا ہوا ہے کہ اس کا کوئی اندازہ نہیں۔ امراض کو ہی دیکھ لیا جاوے کہ ہزار ہا مصائب کے پیدا کرنے کو کافی ہیں، لیکن جو تقویٰ کے قلعہ میں ہوتا ہے وہ اُن سے محفوظ ہے اور جو اس سے باہر ہے وہ ایک جنگل میں ہے جو درندہ جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔

متّقی کو اسی دنیا میں بشارتیں ملتی ہیں

متقی کیلئے ایک اور بھی وعدہ ہے:

لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَاوَفِی الْاٰخِرَۃِ ط

(یونس: 65)

یعنی جو متقی ہوتے ہیں۔ اُن کو اسی دنیا میں بشارتیں سچے خوابوں کے ذریعہ ملتی ہیں،

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ صاحبِ مکاشفات ہوجاتے ہیں۔ مکالمۃُ اللہ کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ وہ بشریت کے لباس میں ہی ملائکہ کو دیکھ لیتے ہیں۔ جیسے کہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ..

(حٰمٓ السجدہ: 31)

یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا ربّ اللہ ہے اور استقامت دکھاتے ہیں، یعنی ابتلاء کے وقت ایسا شخص دکھلا دیتا ہے کہ جو میں نے مُنہ سے وعدہ کیا تھا وہ عملی طور سے پورا کرتا ہوں۔

ابتلا ضروری ہے

ابتلا ضروری ہے جیسے یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَایُفْتَنُوْنَ O

(العنکبوت:3)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنہوں نے کہا کہ ہمارا ربّ اَللہ ہے اور استقامت کی، اُن پر فرشتے اترتے ہیں۔ مفسّروں کی غلطی ہے کہ فرشتوں کا اترنا نزع میں ہے۔ یہ غلط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دل کو صاف کرتے ہیں اور نجاست اور گندگی سے جو اللہ سے دُور رکھتی ہے اپنے نفس کو دُور رکھتے ہیں اُن میں سلسلہء الہام کیلئے ایک مناسبت پیدا ہوجاتی ہے سلسلہء الہام شروع ہوجاتا ہے پھر متقی کی شان میں ایک اور جگہ فرمایا:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ O

(یونس:63)

یعنی جو اللہ کے ولی ہیں اُن کو کوئی غم نہیں۔ جس کا خدا متکفّل ہو اس کو کوئی تکلیف نہیں۔ کوئی مقابلہ کرنے والا ضرر نہیں دے سکتا اگر خدا ولی ہوجائے۔

پھر فرمایا:

وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ O

(حٰمٓ السجدہ:31)

یعنی تم اس جنت کیلئے خوش ہو جس کا تم کو وعدہ ہے۔

قرآن کی تعلیم سے پایا جاتا ہے کہ انسان کیلئے دو جنت ہیں جو شخص خدا سے پیار کرتا ہے کیا وہ ایک جلنے والی زندگی میں رہ سکتا ہے؟ جب اس جگہ ایک حاکم کا دوست دنیوی تعلقات میں ایک قسم کی بہشتی زندگی میں ہوتا ہے تو کیوں نہ

ان کیلئے دروازہ جنت کا کھلے جو اللہ کے دوست ہیں؛ اگرچہ دنیا پُر از تکلیف و مصائب ہے، لیکن کسی کو کیا خبر وہ کیسی لذّت اٹھاتے ہیں؟ اگر اُن کو رنج ہو تو آدھ گھنٹہ تکلیف اُٹھانا بھی مشکل ہے، حالانکہ وہ تو تمام عمر تکلیف میں رہتے ہیں۔ ایک زمانہ کی سلطنت اُن کو دے کر اُن کو اپنے کام سے روکا جاوے تو کب کسی کی سنتے ہیں؟ اس طرح خواہ مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں، وہ اپنے ارادہ کو نہیں چھوڑتے۔

کامل نمونہ ءاخلاق

ہمارے ہادیٔ کامل کو یہ دونوں باتیں دیکھنی پڑیں۔ ایک وقت تو طائف میں پتھر برسائے گئے۔ ایک کثیر جماعت نے سخت سے سخت جسمانی تکلیف دی، لیکن آنحضرت ﷺ کے استقلال میں فرق نہ آیا۔ جب قوم نے دیکھا کہ مصائب و شدائد سے ان پر کوئی اثر نہ پڑا، تو اُنہوں نے جمع ہو کر بادشاہت کا وعدہ دیا۔ اپنا امیر بنانا چاہا۔ ہر ایک قسم کے سامانِ آسائش مہیا کر دینے کا وعدہ کیا۔ حتّٰی کہ عمدہ سے عمدہ بی بی بھی۔ بدیں شرط کہ حضرتؐ بتوں کی مذمّت چھوڑ دیں۔ لیکن جیسے کہ طائف کی مصیبت کے وقت ویسی ہی اس وعدۂ بادشاہت کے وقت حضرتؐ نے کچھ پرواہ نہ کی اور پتھر کھانے کو ترجیح دی۔ سو جب تک خاص لذّت نہ ہو تو کیا ضرورت تھی کہ آرام چھوڑ کر دکھوں میں پڑتے۔

یہ موقع سوا ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والتّحیّات کے کسی اور نبی کو نہ ملا کہ اُن کو نبوت کا کام چھوڑنے کیلئے کوئی وعدہ دیا گیا ہو۔ مسیحؑ کو بھی یہ امر نصیب نہ ہوا۔ دنیا کی تاریخ میں صرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی یہ معاملہ ہوا کہ آپؐ کو سلطنت کا وعدہ دیا گیا اگر آپ اپنا کام چھوڑ دیں۔ سو یہ عزت ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے ساتھ ہی خاص ہے۔

اسی طرح ہمارے ہادیٔ کامل کو دونوں زمانے تکلیف اور فتح مندی کے نصیب ہوئے، تاکہ وہ دونوں اوقات میں کامل نمونہ اخلاق کا دکھا سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے متقیوں کیلئے چاہا کہ ہر دو لذّتیں اٹھائیں۔ بعض وقت دُنیوی لذّات، آرام اور طیّبات کے رنگ میں۔ بعض وقت عسرت اور مصائب میں۔ تاکہ اُن کے دونوں اخلاق، کامل نمونہ دکھا سکیں۔ بعض اخلاق طاقت میں اور بعض مصائب میں کھلتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ دونوں باتیں میسّر آئیں۔ سو جس قدر ہم آپؐ کے اخلاق پیش کر سکیں گے۔ کوئی اور قوم اپنے کسی نبی کے اخلاق پیش نہ کر سکے گی۔ جیسے مسیحؑ کا صرف صبر ظاہر ہو سکتا ہے کہ وہ مار کھاتا رہا، لیکن یہ کہاں سے نکلے گا کہ اُن کو طاقت نصیب ہوئی۔ وہ نبی بیشک سچے ہیں۔ لیکن اُن کے ہر قسم کے اخلاق ثابت نہیں۔ چونکہ اُن کا ذکر قرآن میں آ گیا، اس لئے ہم اُن کو نبی مانتے ہیں۔ والاّ انجیل میں تو اُن کا کوئی ایسا خُلق ثابت نہیں۔ جیسے اولوالعزم انبیاء کی شان ہوتی ہے۔ ایسا ہی ہمارے ہادیٔ کامل بھی اگر ابتدائی تیرہ برس کی مصائب میں مر جاتے تو اُن کے اور بہت سے اخلاقِ فاضلہ مسیحؑ کی طرح ثابت نہ ہوتے، لیکن دوسرا زمانہ جب فتح کا آیا اور مجرم آپؐ کے سامنے پیش کئے گئے تو اس سے آپؐ کی صفتِ رحم اور عفو کا کامل ثبوت ملا اور اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ کے کام کوئی جبر پر نہ تھے۔ نہ زبردستی تھی، بلکہ ہر ایک امر اپنے طبعی رنگ میں ہوا۔ اسی طرح آپؐ کے اور بہت سے اخلاق بھی ثابت ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ:

نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ

(حٰمٓ السجدہ: 32)

کہ ہم اس دنیا میں بھی اور آئندہ بھی متّقی کے ولی ہیں۔

سو یہ آیت بھی تکذیب میں ان نادانوں کے ہے جنہوں نے اس زندگی میں نزولِ ملائکہ سے انکار کیا۔ اگر نزع میں نزولِ ملائکہ تھا، تو حیٰوۃ الدُنیا میں خدا تعالیٰ کیسے ولی ہوا۔

متّقی کو آئندہ کی زندگی یہیں دکھلائی جاتی ہے

سو یہ ایک نعمت ہے کہ ولیوں کو خدا کے فرشتے نظر آتے ہیں۔ آئندہ کی زندگی محض ایمانی ہے، لیکن ایک متّقی کو آئندہ کی زندگی یہیں دکھلائی جاتی ہے۔ اُنہیں اسی زندگی میں خدا ملتا ہے، نظر آتا ہے اور اُن سے باتیں کرتا ہے سو اگر ایسی صورت کسی کو نصیب نہیں، تو اس کا مرنا اور یہاں سے چلے جانا نہایت

خراب ہے۔ایک ولیؔ کا قول ہے کہ جس کو ایک سچّا خواب عمر میں نصیب نہیں ہوا اُس کا خاتمہ خطرناک ہے۔جیسے کہ قرآن مومن کے یہ نشان ٹھہراتا ہے۔ سنو! جس میں یہ نشان نہیں اُس میں تقویٰ نہیں۔سو ہم سب کی یہ دُعا چاہیئے کہ یہ شرط ہم میں پوری ہو۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامؔ،خوابؔ،مکاشفاتؔ کا فیضان ہو،کیونکہ مومن کا یہ خاصہ ہے سو یہ ہونا چاہیئے۔

بہت سی اور بھی برکات ہیں جو متّقی کو ملتی ہیں۔مثلاً سورۃ فاتحہ میں جو قرآن کے شروع میں ہی ہے۔اللہ تعالیٰ مومن کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ دعا مانگیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۝

(الفاتحہ:6 -7)

یعنی ہمیں وہ راہ سیدھی بتلا ان لوگوں کی جن پر تیرا انعام وفضل ہے۔۔۔

یہ اس لئے سکھلائی گئی کہ انسان عالی ہمت ہو کر اس سے خالق کا منشاء سمجھے اور وہ یہ ہے کہ یہ اُمّت بہائم کی طرح زندگی بسر نہ کرے بلکہ اس کے تمام پردے کھل جاویں۔جیسے کہ شیعوںؔ کا عقیدہ ہے کہ ولایت بارہ اماموں کے بعد ختم ہوگئی۔برخلاف اس کے اس دعا سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے پہلے سے ارادہ کر رکھا ہے کہ جو متقی ہو اور خدا کی منشاء کے مطابق ہو،تو وہ اُن مراتب کو حاصل کر سکے جو انبیاء اور اصفیاء کو حاصل ہوتے ہیں۔اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ انسان کو بہت سے قویٰ ملے ہیں جنہوں نے نشوونما پانا ہے اور بہت ترقی کرنا ہے۔ہاں ایک بکرا چونکہ انسان نہیں، اس کے قویٰ ترقی نہیں کر سکتے۔عالی ہمت انسان جب رسولوں اور انبیاء کے حالات سنتا ہے کہ وہ انعامات جو اس پاک جماعت کو حاصل ہوئے اس پر نہ صرف ایمان ہی ہو بلکہ اُسے بتدریج ان نعماء کا علم الیقینؔ،عین الیقینؔ اور حق الیقینؔ ہو جاوے۔

علم کے تین مدارج

علم کے تین مدارج ہیں۔علم الیقینؔ،عین الیقینؔ،حق الیقین۔مثلاً ایک جگہ سے دھوآں نکلتا دیکھ کر آگ کا یقین کر لینا علم الیقین ہے،لیکن خود آنکھ سے آگ کا دیکھنا عین الیقینؔ ہے۔ان سے بڑھ کر درجہ حق الیقینؔ کا ہے یعنی آگ میں ہاتھ ڈال کر جلن اور حرقت سے یقین کر لینا کہ آگ موجود ہے۔ پس کیسا وہ شخص بدقسمت ہے جس کو تینوں میں سے کوئی درجہ حاصل نہیں۔اس آیت کے مطابق جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہیں وہ کورانہ تقلید میں پھنسا ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط

(العنکبوت: 70)

جو ہماری راہ میں مجاہدہ کرے گا ہم اس کو اپنی راہیں دکھلا دیں گے۔

یہ تو وعدہ ہے اور ادھر یہ دعا ہے کہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ۝

(الفاتحہ:6)

سو انسان کو چاہیئے کہ اس کو مدِّ نظر رکھ کر نماز میں دعا بہ الحاح کرے اور تمنا رکھے کہ وہ بھی ان لوگوں میں سے ہو جائے جو ترقی اور بصیرت حاصل کر چکے ہیں۔ایسا نہ ہو کہ اس جہان سے بے بصیرت اور اندھا اٹھایا جاوے۔فرمایا:

مَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔۔

(بنی اسرائیل :73)

کہ جو اِس جہان میں اندھا ہے وہ اُس جہان میں بھی اندھا ہے۔

جس کی منشاء یہ ہے کہ اُس جہان کے مشاہدہ کیلئے اسی جہان سے ہم کو آنکھیں لے جانی ہیں۔آئندہ جہان کو محسوس کرنے کیلئے حواس کی طیاری اسی جہان میں ہوگی۔پس کیا یہ گمان ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ کرے اور پورا نہ کرے۔

اندھا کون ہے؟

اندھے سے مراد ہے جو روحانی معارف اور روحانی لذّات سے خالی ہے۔ایک شخص کورانہ تقلید سے کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو گیا،مسلمان کہلاتا

ہے۔ دوسری طرف اسی طرح ایک عیسائی عیسائیوں کے ہاں پیدا ہوکر عیسائی ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے شخص کو خداؔ، رسولؔ اور قرآن کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ اس کی دین سے محبت بھی قابل اعتراض ہے۔ خدا اور رسول کی ہتک کرنے والوں میں اس کا گزر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایسے شخص کی روحانی آنکھ نہیں۔ اس میں محبتِ دین نہیں۔ والّا محبت والا اپنے محبوب کے برخلاف کیا کچھ پسند کرتا ہے؟ غرض اللہ تعالیٰ نے سکھلایا ہے کہ میں تو دینے کو تیار ہوں اگر تُو لینے کو تیار ہے۔ پس یہ دعا کرنا ہی اس ہدایت کو لینے کی تیاری ہے۔

متّقی

اس دعا کے بعد سورہ البقرۃ کے شروع میں ہی جو ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (البقرۃ:3) کہا گیا، تو گویا خدا تعالیٰ نے دینے کی تیاری کی۔ یعنی یہ کتاب متقی کو کمال تک پہنچانے کا وعدہ کرتی ہے۔ سو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کتاب ان کیلئے نافع ہے جو پرہیز کرنے اور نصیحت کے سننے کو تیار ہوں۔ اس درجہ کا متقی وہ ہے جو مُخلّی بِالطّبع ہوکر حق کی بات سننے کو تیار ہو۔ جیسے جب کوئی مسلمان ہوتا ہے تو وہ متّقی بنتا ہے۔ جب کسی غیر مذہب کے اچھے دن آئے تو اس میں اتّقاء پیدا ہوا۔ عُجب، غرور، پندار دُور ہوا۔ یہ تمام روکیں تھیں جو دُور ہوگئیں۔ ان کے دُور ہونے سے تاریک گھر کی کھڑکی کھل گئی اور شعاعیں اندر داخل ہوگئیں۔

یہ جو فرمایا کہ یہ کتاب متّقین کی ہدایت ہے، یعنی ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ تو اِتّقَا جو اِفْتِعال کے باب سے ہے اور یہ باب تکلّف کیلئے آتا ہے، یعنی اس میں اشارہ ہے کہ جس قدر یہاں ہم تقویٰ چاہتے ہیں وہ تکلّف سے خالی نہیں جس کی حفاظت کیلئے اس کتاب میں ہدایات ہیں۔ گویا متّقی کو نیکی کرنے میں تکلیف سے کام لینا پڑتا ہے۔

عبدِ صالح

جب یہ گزر جاتا ہے تو سالک عبدِ صالح ہوجاتا ہے۔ گویا تکلیف کا رنگ دُور ہوا۔ اور صالح نے طبعاً وفطرتاً نیکی شروع کی۔ وہ ایک قسم کے دارالامان میں ہے۔ جس کو کوئی خطرہ نہیں۔ اب کُل جنگ اپنے نفسانی جذبات کے برخلاف ختم ہوچکے ہیں اور وہ امن میں آگیا اور ہر ایک قسم کے خطرات سے پاک ہوگیا۔ اسی امر کی طرف ہمارے ہادیٔ کاملؐ نے اشارہ کیا ہے۔ فرمایا کہ ہر ایک کے ساتھ شیطان ہوتا ہے لیکن میرا شیطان مسلم ہوگیا ہے۔ سو متّقی کو ہمیشہ شیطان کے مقابل جنگ ہے، لیکن جب وہ صالح ہوجاتا ہے، تو کل جنگیں بھی ختم ہوجاتی ہیں۔ مثلاً ایک ریاء ہی ہے، جس سے اُسے آٹھوں پَہر جنگ ہے۔ متّقی ایک ایسے میدان میں ہے جہاں ہر وقت لڑائی ہے۔ اللہ کے فضل کا ہاتھ اُس کے ساتھ ہو تو اُسے فتح ہو۔ جیسے ریاء جس کی چال ایک چیونٹی کی طرح ہے۔ بعض اوقات انسان بے سمجھے لیکن موقعہ پر ریاء کو دل میں پیدا ہونے کا موقعہ دے دیتا ہے مثلاً ایک کا چاقو گُم ہوجاوے اور وہ دوسرے سے دریافت کرے تو اس موقعہ پر ایک متّقی کا جنگ شیطان سے شروع ہوجاتا ہے جو اُسے سکھاتا ہے کہ اس طرح دریافت کرنا ایک قسم کی بے عزّتی ہے، جس سے اس کے افروختہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ آپس میں لڑائی بھی ہوجاوے۔ اس موقعہ پر ایک متّقی کو اپنے نفس کی بد خواہش سے جنگ ہے۔ اگر اس شخص میں محض لِلّٰہ دیانت موجود ہو تو غصہ کرنے کی اس کو ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ دیانت جس قدر مخفی رکھی جائے اسی قدر بہتر ہے۔ مثلاً ایک جوہری کو راستہ میں چند چور مل جاویں اور چور آپس میں اس کے متعلق مشورہ کریں۔ بعض اُسے دولت مند بتلاویں اور بعض کہیں وہ کنگال ہے۔ اب مقابلتاً یہ جوہری انہیں کو پسند کرے گا جو اسے کنگال ظاہر کریں گے۔

اعمال میں اخفاء اچھا ہے

اسی طرح یہ دنیا کیا ہے۔ ایک قسم کی دارالابتلاء ہے۔ وہی اچھا ہے جو ہر ایک امر خفیہ رکھے اور ریاء سے بچے۔ وہ لوگ جن کے اعمال لِلّٰہی ہوتے ہیں وہ کسی پر اپنے اعمال ظاہر ہونے نہیں دیتے۔ یہی لوگ متّقی ہیں۔ میں نے تذکرۃ الاولیاء میں دیکھا ہے کہ ایک مجمع میں ایک بزرگ نے سوال کیا کہ اس کو کچھ روپیہ کی ضرورت ہے۔ کوئی اس کی مدد کرے۔ ایک نے صالح سمجھ کر اُس کو

ایک ہزار روپیہ دیا۔ اُنہوں نے روپیہ لے کر اس کی سخاوت اور فیاضی کی تعریف کی۔ اس بات پر وہ رنجیدہ ہوا کہ جب یہاں ہی تعریف ہوگئی تو شاید ثواب آخرت سے محرومیت ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آیا اور کہا کہ وہ روپیہ اس کی والدہ کا تھا جو دینا نہیں چاہتی؛ چنانچہ وہ روپیہ واپس دیا گیا۔ جس پر ہر ایک نے لعنت کی اور کہا کہ جھوٹا ہے۔ اصل میں روپیہ دینا نہیں چاہتا۔ جب شام کے وقت وہ بزرگ گھر گیا۔ تو وہ شخص ہزار روپیہ اس کے پاس لایا اور کہا کہ آپ نے سرِ عام میری تعریف کر کے مجھے محرومِ ثوابِ آخرت کیا، اس لئے میں نے یہ بہانہ کیا۔ اب یہ روپیہ آپ کا ہے لیکن آپ کسی کے آگے نام نہ لیں۔ بزرگ رو پڑا اور کہا اب تُو قیامت تک موردِ لعن طعن ہوا، کیونکہ کل کا واقعہ سب کو معلوم ہے اور یہ کسی کو معلوم نہیں کہ تُو نے مجھے روپیہ واپس دے دیا ہے۔

ایک متّقی تو نفسِ امارہ کے برخلاف جنگ کر کے اپنے خیال کو چھپاتا ہے اور خفیہ رکھتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس خفیہ خیال کو ہمیشہ ظاہر کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک بدمعاش کسی بدچلنی کا مرتکب ہو کر خفیہ رہنا چاہتا ہے، اسی طرح ایک متقی چھپ کر نماز پڑھتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کوئی اس کو دیکھ لے۔ سچا متقی ایک قسم کا سَتر چاہتا ہے۔ تقویٰ کے مراتب بہت ہیں، لیکن بہرحال تقویٰ کیلئے تکلّف ہے اور متقی حالتِ جنگ میں ہے اور صالح اس جنگ سے باہر ہے جیسے کہ میں نے مثال کے طور پر اوپر ریاء کا ذکر کیا ہے، جس سے متقی کو آٹھوں پہر جنگ ہے۔

ریاء اور حلم کا جنگ

بسا اوقات ریاء اور حلم کا جنگ ہو جاتا ہے کبھی انسان کا غصہ کتاب اللہ کے برخلاف ہوتا ہے۔ گالی سُن کر اُس کا نفس جوش مارتا ہے۔ تقویٰ اس کو سکھلاتا ہے کہ وہ غصہ کرنے سے باز رہے۔ جیسے کہ قرآن کہتا ہے:

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ○

(الفرقان:73)

ایسا ہی بےصبری کے ساتھ اُسے اکثر جنگ کرنا پڑتا ہے۔ بےصبری سے مراد یہ ہے کہ اُس کو راہِ تقویٰ میں اس قدر دقتوں کا مقابلہ ہے کہ مشکل سے وہ منزلِ مقصود پر پہنچتا ہے، اسلئے بےصبر ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک کنؤاں پچاس ہاتھ تک کھودنا ہے۔ اگر دو چار ہاتھ کے بعد کھودنا چھوڑ دیا جائے، تو محض یہ ایک بدظنی ہے۔ اب تقویٰ کی شرط یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے احکام دیئے، اُن کو اخیر تک پہنچائے اور بےصبر نہ ہو جاوے۔

راہِ سلوک میں مبارک قدم دو گروہ ہیں

راہِ سلوک میں مبارک قدم دو گروہ ہیں۔ ایک دین العجائز والے جو موٹی موٹی باتوں پر قدم مارتے ہیں مثلاً احکامِ شریعت کے پابند ہو گئے اور نجات پا گئے۔ دوسرے وہ جنہوں نے آگے قدم مارا۔ ہرگز نہ تھکے اور چلتے گئے؛ حتّٰی کہ منزلِ مقصود تک پہنچ گئے۔ لیکن نامراد وہ فرقہ ہے کہ دین العجائز سے تو قدم آگے رکھا لیکن منزلِ سلوک کو طے نہ کیا۔ وہ ضرور دہریہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو نمازیں بھی پڑھتے رہے، چلّہ کشیاں بھی کیں لیکن فائدہ کچھ نہ ہوا۔ جیسے ایک شخص منصور مسیح نے بیان کیا کہ اُس کی عیسائیت کا باعث یہ تھا کہ وہ مرشدوں کے پاس گیا، چلّہ کشی کرتا رہا، لیکن فائدہ کچھ نہ ہوا، تو بدظن ہو کر عیسائی ہو گیا۔

صدق وصبر

سو جو لوگ بےصبری کرتے ہیں وہ شیطان کے قبضہ میں آ جاتے ہیں۔ سو متقی کو بےصبری کے ساتھ بھی جنگ ہے۔ بوستاں میں ایک عابد کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب کبھی وہ عبادت کرتا تو ہاتف یہی آواز دیتا کہ تو مردود و مخذول ہے۔ ایک دفعہ ایک مرید نے یہ آواز سن لی اور کہا کہ اب تو فیصلہ ہو گیا۔ اب ٹکریں مارنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ وہ بہت رویا اور کہا کہ میں اُس جناب کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ اگر ملعون ہوں تو ملعون ہی سہی۔ غنیمت ہے کہ مجھ کو ملعون تو کہا جاتا ہے۔ ابھی یہ باتیں مرید سے ہو ہی رہی تھیں کہ آواز آئی تو مقبول ہے۔ سو یہ سب صدق وصبر کا نتیجہ تھا جو متقی میں ہونا شرط ہے۔

استقامت

یہ جوفرمایا ہے کہ:

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا

(العنکبوت:70)

یعنی ہمارے راہ کے مجاہد راستہ پاویں گے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ اس راہ میں پیمبر کے ساتھ مل کر جدّ وجہد کرنا ہوگا۔ایک دوگھنٹہ کے بعد بھاگ جانا مجاہد کا کام نہیں بلکہ جان دینے کیلئے تیار رہنا اس کا کام ہے۔سومتقی کی نشانی استقامت ہے۔جیسے کہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

(حٰمٓ السجدہ:31)

یعنی جنہوں نے کہا کہ ربّ ہمارا اللہ ہے اور استقامت دکھائی اور ہر طرف سے مُنہ پھیر کر اللہ کو ڈھونڈا۔

مطلب یہ کہ کامیابی استقامت پر موقوف ہے اور وہ اللہ کو پہچاننا اور کسی ابتلا اور زلازل اور امتحان سے نہ ڈرنا ہے۔ضرور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ موردِ مخاطبہ ومکالمہ الٰہی انبیاء کی طرح ہوگا۔

ولی بننے کیلئے ابتلاء ضروری ہیں

بہت سے لوگ یہاں آتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھونک مار کر عرش پر پہنچ جائیں اور واصلین سے ہو جاویں۔ایسے لوگ ٹھٹھا کرتے ہیں۔وہ انبیاء کے حالات کو دیکھیں۔یہ غلطی ہے جو کہا جاتا ہے کہ کسی ولی کے پاس جا کر صدہا ولی فی الفور بن گئے۔اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ

(العنکبوت:3)

جبتک انسان آزمایا نہ جاوے فِتَن میں نہ ڈالا جاوے وہ کب ولی بن سکتا ہے۔ایک مجلس میں بایزیدؒ وعظ فرما رہے تھے۔وہاں ایک مشائخ زادہ بھی تھا، جو ایک لمبا سلسلہ رکھتا تھا۔اس کو آپؒ سے اندرونی بغض تھا۔اللہ تعالیٰ کا یہ خاصہ ہے کہ پرانے خاندانوں کو چھوڑ کر کسی اور کو لے لیتا ہے۔جیسے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر بنی اسمٰعیل کو لے لیا۔کیونکہ وہ لوگ عیش وعشرت میں پڑ کر خدا کو بھول گئے ہوتے ہیں۔

وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ

(ال عمران: 141)

سو اس شیخ زادے کو خیال آیا کہ یہ ایک معمولی خاندان کا آدمی ہے۔کہاں سے ایسا صاحبِ خوارق آگیا کہ لوگ اس کی طرف جھکتے ہیں اور ہماری طرف نہیں آتے۔یہ باتیں خدا تعالیٰ نے حضرت بایزیدؒ پر ظاہر کیں تو اُنہوں نے قصہ کے رنگ میں یہ بیان شروع کیا کہ ایک جگہ مجلس میں رات کے وقت ایک لیمپ میں پانی سے ملا ہوا تیل جل رہا تھا۔تیل اور پانی میں بحث ہوئی۔پانی نے تیل کو کہا کہ تو کثیف اور گندہ ہے اور باوجود کثافت کے میرے اوپر آتا ہے۔میں ایک مصفّا چیز ہوں اور طہارت کے لئے استعمال کیا جاتا ہوں لیکن نیچے ہوں۔اس کا باعث کیا ہے؟ تیل نے کہا کہ جس قدر صعوبتیں میں نے کھینچی ہیں، تو نے وہ کہاں جھیلی ہیں جس کے باعث یہ بلندی مجھے نصیب ہوئی۔ایک زمانہ تھا جب میں بویا گیا، زمین میں مخفی رہا، خاکسار ہوا۔پھر خدا کے ارادہ سے بڑھا، بڑھنے نہ پایا کہ کاٹا گیا۔پھر طرح طرح کی مشقتوں کے بعد صاف کیا گیا۔کولہو میں پیسا گیا پھر تیل بنا اور آگ لگائی گئی۔کیا ان مصائب کے بعد بھی بلندی حاصل نہ کرتا؟

یہ ایک مثال ہے کہ اہل اللہ مصائب وشدائد کے بعد درجات پاتے ہیں۔لوگوں کا یہ خیال خام ہے کہ فلاں شخص فلاں کے پاس جا کر بلا مجاہدہ وتزکیہ ایک دم میں صدیقین میں داخل ہوگیا۔قرآن شریف کو دیکھو کہ خدا کس طرح تم پر راضی ہو، جبتک نبیوں کی طرح تم پر مصائب وزلازل نہ آویں، جنہوں نے بعض وقت تنگ آ کر یہ بھی کہہ دیا:

حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ

اللہِ قَرِیۡبٌ

(البقرۃ: 215)

اللہ کے بندے ہمیشہ بلاؤں میں ڈالے گئے پھر خدا نے ان کو قبول کیا۔

ترقیات کی دو راہیں

صوفیوں نے ترقیات کی دو راہیں لکھی ہیں۔ایک سلوک دوسرا جذب۔

سلوک وہ ہے جو لوگ آپ عقلمندی سے سوچ کر اللہ اور رسولؐ کی راہ اختیار کرتے ہیں۔جیسے فرمایا:

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ

(آل عمران:32)

یعنی اگر تم اللہ کے پیارے بننا چاہتے ہو تو رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرو۔

وہ ہادیٔ کامل وہی رسول ہیں جنہوں نے وہ مصائب اٹھائیں کہ دنیا اپنے اندر نظیر نہیں رکھتی۔ایک دن بھی آرام نہ پایا۔اب پیروی کرنے والے بھی حقیقی طور سے وہی ہونگے جو اپنے متبوع کے ہر قول و فعل کی پیروی پوری جدّ و جہد سے کریں۔مُتّبع وہی ہے جو سب طرح پیروی کرے گا۔سہل انگار اور سخت گزار کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا، بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے غضب میں آوے گا۔ یہاں جو اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا تو سالک کا کام یہ ہونا چاہیئے کہ اوّل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تاریخ دیکھے اور پھر پیروی کرے۔اسی کا نام سلوک ہے۔اس راہ میں بہت مصائب و شدائد ہوتے ہیں ان سب کو اٹھانے کے بعد ہی انسان سالک ہوتا ہے۔

جذب: اہلِ جذب کا درجہ سالکوں سے بڑھا ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں سلوک کے درجہ پر ہی نہیں رکھتا، بلکہ خود ان کو مصائب میں ڈالتا اور جاذبہء ازلی سے اپنی طرف کھینچتا ہے۔کُل انبیاء مجذوب ہی تھے۔جس وقت انسانی روح کو مصائب کا مقابلہ ہوتا ہے اُن سے فرسودہ کار اور تجربہ کار ہو کر روح چمک اُٹھتی ہے۔جیسے کہ لوہا یا شیشہ اگرچہ چمک کا مادہ اپنے اندر رکھتا ہے لیکن صیقلوں کے بعد ہی مُجلّٰی ہوتا ہے۔حتّٰی کہ اس میں منہ دیکھنے والے کا منہ نظر آجاتا ہے۔مجاہدات بھی صیقل کا ہی کام کرتے ہیں دل کا صَیقل یہاں تک ہونا چاہیے کہ اس میں سے بھی منہ نظر آجاوے۔منہ کا نظر آنا کیا ہے؟ **تَخَلَّقُوۡا بِاَخۡلَاقِ اللّٰہِ** کا مصداق ہونا۔سالک کا دل آئینہ ہے جس کو مصائب و شدائد اس قدر صیقل کر دیتے ہیں کہ اخلاق النبیؐ اُس میں منعکس ہو جاتے ہیں اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب بہت مجاہدات اور تزکیوں کے بعد اس کے اندر کسی قسم کی کدورت یا کثافت نہ رہے تب یہ درجہ نصیب ہوتا ہے۔ہر ایک مومن کو ایک حد تک ایسی صفائی کی ضرورت ہے۔کوئی مومن بلا آئینہ ہونے کے نجات نہ پائے گا۔سلوک والا خود یہ صیقل کرتا ہے، اپنے کام سے مصائب اٹھاتا ہے، لیکن جذب والا مصائب میں ڈالا جاتا ہے۔خدا خود اس کا مصقِّل ہوتا ہے۔اور طرح طرح کے مصائب و شدائد سے صیقل کر کے اس کو آئینہ کا درجہ عطا کر دیتا ہے۔دراصل سالک و مجذوب دونوں کا ایک ہی نتیجہ ہے۔سو متقی کے دو حصے ہیں۔سلوک و جذب۔

ایمان بالغیب

تقویٰ جیسا کہ میں بیان کر آیا ہوں، کسی قدر تکلّف کو چاہتا ہے۔اسی لئے فرمایا کہ:

هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ...

(البقرۃ: 4,3)

اس میں ایک تکلف ہے کیونکہ جب وہ صالح کا درجہ حاصل کرتا ہے تو پھر غیب اُس کیلئے غیب نہیں رہتا کیونکہ صالح کے اندر سے ایک نہر کھلتی ہے جو اس میں سے نکل کر خدا تک پہنچتی ہے۔وہ خدا اور اس کی محبت کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے کہ:

مَنۡ کَانَ فِیۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰی فَهُوَ فِی الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰی

(بنی اسرائیل: 73)

اسی سے ظاہر ہے کہ جبتک انسان پوری روشنی اسی جہان میں نہ حاصل کر لے وہ کبھی خدا کا منہ نہ دیکھے گا۔سو متقی کا یہی کام ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے سرمے تیار کرتا

رہتا ہے جس سے اسکا روحانی نزول الماء دُور ہوجائے۔اب اس سے ظاہر ہے کہ متقی شروع میں اندھا ہوتا ہے۔مختلف کوششوں اور تزکیوں سے وہ نور حاصل کرتا ہے پس جب سوجا کھا ہوگیا اور صالح بن گیا۔پھر ایمان بالغیب نہ رہا اور تکلف بھی ختم ہوگیا۔جیسے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بِرَأیِ الْعَیْن اسی عالم میں بہشت و دوزخ وغیرہ سب کچھ مشاہدہ کرایا گیا۔ جو متقی کو ایک ایمان بالغیب کے رنگ میں ماننا پڑتا ہے، وہ تمام آپؐ کے مشاہدہ میں آ گیا۔اس آیت میں اشارہ ہے کہ متقی اگرچہ اندھا ہے اور تکلف کی تکلیف میں ہے لیکن صالح ایک دارالامان میں آ گیا ہے اور اس کا نفسِ مطمئنہ ہوگیا ہے۔متقی اپنے اندر ایمان بالغیب کی کیفیت رکھتا ہے۔وہ اندھادھند طریق سے چلتا ہے۔اس کو کچھ خبر نہیں ہر ایک بات پر اس کا ایمان بالغیب ہے۔یہی اُس کا صدق ہے اور اس صدق کے مقابل خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ فلاح پائے گا:

اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

(البقرۃ:6)

اقامتِ صلوٰۃ

اس کے بعد متقی کی شان میں آیا ہے

وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ

(البقرۃ: 4)

یعنی وہ نماز کو کھڑی کرتا ہے۔ یہاں لفظ کھڑی کرنے کا آیا ہے۔ یہ بھی اس تکلف کی طرف اشارہ کرتا ہے جو متقی کا خاصہ ہے۔یعنی جب وہ نماز شروع کرتا ہے تو طرح طرح کے وساوس کا اُسے مقابلہ ہوتا ہے جن کے باعث اسکی نماز گو بار بار گر پڑتی ہے جس کو اُس نے کھڑا کرنا ہے۔جب اس نے اَللّٰہُ اَکْبَـــــر کہا تو ایک ہجوم وساوس ہے جو اُس کے حضورِ قلب میں تفرق ڈال رہا ہے۔ وہ ان سے کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے۔ پریشان ہوتا ہے۔ ہر چند حضور و ذوق کیلئے لڑتا مرتا ہے لیکن نماز جو گر پڑتی ہے بڑی جان کنی سے اُسے کھڑا کرنے کی فکر میں ہے۔بار بار اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہہ کر نماز کے قائم کرنے کیلئے دعا مانگتا ہے اور ایسے الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی ہدایت چاہتا ہے جس سے اُس کی نماز کھڑی ہوجائے۔ ان وساوس کے مقابل میں متقی ایک بچہ کی طرح ہے جو خدا کے آگے گڑگڑاتا ہے۔روتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ (الاعراف: 177) ہورہا ہوں۔سو یہی وہ جنگ ہے جو متقی کو نماز کے ساتھ کرنی ہوتی ہے اور اسی پر ثواب مترتب ہوگا۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو نماز میں وساوس کو فی الفور دُور کرنا چاہتے ہیں؛ حالانکہ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کی منشاء کچھ اور ہے۔کیا خدا نہیں جانتا؟ حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کا قول ہے کہ ثواب اس وقت تک اعمال ہیں جبتک ایک جدوجہد سے وساوس کا مقابلہ ہے لیکن جب اُن میں ایک اعلیٰ درجہ پیدا ہوگیا اور صاحبِ صَوم وصلوٰۃ تقویٰ کے تکلف سے بچ کر صلاحیت سے رنگین ہوگیا،تو اب صوم وصلوٰۃ اعمال نہیں رہے۔اس موقعہ پر انہوں نے سوال کیا کہ کیا اب نماز معاف ہوجاتی ہے؟ کیونکہ ثواب تو اس وقت تھا جس وقت تک تکلف کرنا پڑتا تھا۔سو بات یہ ہے کہ نماز اب عمل نہیں بلکہ ایک انعام ہے۔یہ نماز اس کی ایک غذا ہے جو اس کیلئے قُرَّۃُ الْعَیْن ہے۔یہ گویا نقد بہشت ہے۔

مقابل میں وہ لوگ جو مجاہدات میں ہیں وہ کشتی کر رہے ہیں۔اور یہ نجات پاچکا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا سلوک جب ختم ہوا تو اس کے مصائب بھی ختم ہوگئے۔مثلاً ایک مُخَنَّث اگر یہ کہے کہ وہ کبھی کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا،تو وہ کونسی نعمت یا ثواب کا مستحق ہے۔اس میں تو صفتِ بدنظری ہے ہی نہیں لیکن اگر ایک مرد صاحبِ رجولیت ایسا کرے تو ثواب پائے گا۔اسی طرح انسان کو ہزاروں مقامات طے کرنے پڑتے ہیں۔بعض بعض امور میں اُس کی مشاقی اس کو قادر کردیتی ہے۔نفس کے ساتھ اس کی مصالحت ہوگئی۔اب وہ ایک بہشت میں ہے،لیکن وہ پہلا سا ثواب نہیں رہے گا۔وہ ایک تجارت کر چکا ہے۔جس کا وہ نفع اُٹھا رہا ہے،لیکن پہلا رنگ نہ رہے گا۔انسان میں ایک فعل تکلف سے کرتے کرتے طبیعت کا رنگ پیدا ہوجاتا ہے۔ایک شخص جو طبعی طور سے لذّت پاتا ہے، وہ اس قابل نہیں رہتا کہ اُس کام سے ہٹایا جاوے۔وہ طبعاً یہاں سے ہٹ نہیں سکتا۔سو اِتّقا اور تقویٰ کی حد تک پورا انکشاف نہیں ہوتا، بلکہ وہ ایک قسم کا دعویٰ ہے۔

انفاق من رزق اللہ

اس کے بعد متقی کی شان میں وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرة: 4) آیا ہے۔ یہاں متقی کیلئے مِمَّا کا لفظ استعمال کیا، کیونکہ اس وقت وہ ایک اعمیٰ کی حالت میں ہے، اس لئے جو کچھ خدا نے اس کو دیا، اس میں سے کچھ خدا کے نام کا دیا۔ حق یہ ہے کہ اگر وہ آنکھ رکھتا، تو دیکھ لیتا کہ اس کا کچھ بھی نہیں۔ سب کچھ خدا تعالیٰ کا ہی ہے۔ یہ ایک حجاب تھا جو اِتّقا میں لازمی ہے۔ اس حالتِ اِتّقا کے تقاضے نے متّقی سے خدا کے دیئے میں سے کچھ دلوایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایّامِ وفات میں دریافت فرمایا کہ گھر میں کچھ ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک دینار تھا۔ فرمایا کہ یہ سیرتِ یگانگت سے بعید ہے کہ ایک چیز بھی اپنے پاس رکھی جاوے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اِتّقا کے درجہ سے گزر کر صلاحیت تک پہنچ چکے تھے، اس لئے مِمَّا ان کی شان میں نہ آیا۔ کیونکہ وہ شخص اندھا ہے جس نے کچھ اپنے پاس رکھا اور کچھ خدا کو دیا، لیکن یہ لازمۂ متقی تھا، کیونکہ خدا کی راہ میں دینے سے بھی اُسے نفس کے ساتھ جنگ تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کچھ دیا اور کچھ رکھا۔ ہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ خدا کی راہ میں دے دیا اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا۔ جیسے دھرم مہوتسو کے مضمون میں انسان کی تین حالتیں ذکر کی گئی ہیں جو انسان پر ابتداء سے انتہا تک وارد ہوتی ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی قرآن کریم نے جو انسان کو تمام مراحل ترقی کے طے کرانے آیا' اِتّقا سے شروع کیا۔ یہ ایک تکلف کا راستہ ہے۔ یہ ایک خطرناک میدان ہے۔ اُس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور مقابل بھی تلوار ہے۔ اگر بچ گیا تو نجات پا گیا۔ وَاِلَّا اَسْفَلِ السَّافِلِيْنَ میں پڑ گیا؛ چنانچہ یہاں متقی کی صفات میں یہ نہیں فرمایا کہ جو کچھ ہم دیتے ہیں، اسے سب کا سب خرچ کر دیتا ہے۔ متقی میں اس قدر ایمانی طاقت نہیں ہوتی جو نبی کی شان ہوتی ہے کہ وہ ہمارے ہادیٔ کامل کی طرح کُل کا کُل خدا کا دیا ہوا خدا کو دیدے۔ اسی لئے پہلے مختصر سا ٹیکس لگایا گیا، تا کہ چاشنی چکھ کر زیادہ ایثار کیلئے تیار ہو جاوے۔

(جاری ہے)

پیارا اَور دلکش اصول

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

یہ خدا تعالیٰ کا شکر کرنے کا مقام ہے کہ ہم لوگ جو مسلمان ہیں ہمارے اصول میں یہ داخل ہے کہ گزشتہ نبیوں میں سے جن کے فرقے اور قومیں اور امتیں بکثرت دنیا میں پھیل گئی ہیں، کسی نبی کی تکذیب نہ کریں۔ کیونکہ ہمارے اسلامی اصول کے موافق خدا تعالےٰ مفتری کو ہرگز یہ عزت نہیں بخشتا کہ وہ ایک سچے نبی کی طرح مقبول خلائق ہو کر ہزار ہا فرقے اور قومیں اُس کو مان لیں اور اس کا دین زمین پر جم جاوے اور عمر پائے۔ لہٰذا ہمارا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ ہم تمام قوموں کے نبیوں کو جنھوں نے خدا کے الہام کا دعویٰ کیا اور مقبول خلائق ہو گئے اور ان کا دین زمین پر جم گیا خواہ وہ ہندی تھے یا فارسی، چینی تھے یا عبرانی خواہ کسی اور قوم میں سے تھے درحقیقت سچے رسول مان لیں۔ اور اگر اُن کی امتوں میں کوئی خلافِ حق باتیں پھیل گئی ہوں تو اُن باتوں کو ایسی غلطیاں قرار دیں جو بعد میں داخل ہو گئیں۔ یہ اصول ایک ایسا دلکش اور پیارا ہے جس کی برکت سے انسان ہر ایک قسم کی بدزبانی اور بدتہذیبی سے بچ جاتا ہے۔۔۔

سوا اے دوستو! اس اصول کو محکم پکڑو۔ ہر ایک قوم کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔ نرمی سے عقل بڑھتی ہے اور بردباری سے گہرے خیال پیدا ہوتے ہیں۔ اور جو شخص یہ طریق اختیار نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اگر کوئی ہماری جماعت میں سے مخالفوں کی گالیوں اور سخت گوئی پر صبر نہ کر سکے تو اس کا اختیار ہے کہ عدالت کی رُو سے چارہ جوئی کرے۔ مگر یہ مناسب نہیں ہے کہ سختی کے مقابل پر سختی کر کے کسی مفسدہ کو پیدا کریں یہ تو وہ وصیت ہے جو ہم نے اپنی جماعت کو کر دی۔ اور ہم ایسے شخص سے بیزار ہیں اور اُس کو اپنی جماعت سے خارج کرتے ہیں جو اس پر عمل نہ کرے۔''

(کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد نمبر 13صفحہ 16-17)

حصہ اول

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مہمان نوازی کے

ایمان افروز واقعات

(لنگر خانہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ابتدائی شکل اور دیگر تاریخی واقعات)

حبیب الرحمان زیروی

اکرامِ ضیف اخلاقِ فاضلہ میں سے ہے

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی تحریر فرماتے ہیں:۔اکرام ضیف اخلاق فاضلہ میں سے ہے اور سوسائٹی اور تمدن کے لئے بمنزلہ روح کے ہے لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمال اخلاق کا بہت بڑا حصہ ہے۔کامل طور پر یہ خلق ان میں پایا جاتا ہے اور پھر اکمل واتم صورت میں صاحب خلق عظیم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ حضور کا بروز اور مظہر ہیں اس لئے آپ میں اکرام ضیف کی شان پوری تجلی کے ساتھ نمایاں ہے اور سچ پوچھو تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے ماتحت یہ ایمان کا ثمرہ ہے۔آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ میں تو کہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عملی زندگی دنیا کے سامنے پیش کرو۔وہ ہزار دلائل سے بڑھ کر مؤثر ہوگی۔اس قسم کا ایثار نفس دوسروں کے لئے ہر قسم کی قربانی کیا معمولی آدمیوں کا خاصہ ہوسکتا ہے؟

مہمان نوازی خدام اور خواص کے لئے یکساں تھی

اس کے بعد میں بتانا چاہتا ہوں کہ ممکن ہے کوئی معترض یہ کہے کہ شاید خاص آدمیوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک روا رکھا جاتا ہو اوّل تو یہ کوئی اعتراض ہی نہیں۔ہر شخص خواص کے مرتبہ اور مقام کا لحاظ رکھتا ہے اور یہ مسنون امر بھی ہے مگر حضرت صاحب اس قسم کا سلوک اور اہتمام بعض خاص حالتوں کے لحاظ سے فرمایا کرتے تھے مثلاً ایک طالب علم ہے وہ دماغی محنت کرتا ہے۔اس کے لئے دماغی تقویت کے لئے دودھ درکار ہے۔اس لئے دودھ کا انتظام کر دیا۔ پھلوں وغیرہ کے متعلق حضور کا عام التزام یہ تھا کہ پھلوں کو قریباً سب دوستوں میں تقسیم کر دیتے۔خواہ کتنا ہی تھوڑا آئے اور کبھی کبھی شہتوت بیدانہ وغیرہ تو دوستوں کے ساتھ مل کر باغ میں کھایا کرتے تھے۔

کھانے میں آپ کبھی کوئی خاص امتیاز نہیں کیا کرتے تھے۔جب باہر مہمانوں کے ساتھ مل کر کھاتے تو ایک ہی قسم کا کھانا سب کے آگے ہوتا تھا اور آپ بھی خاص امتیاز کو ناپسند فرماتے۔ہاں اگر اپنے ملک کے رواج کے موافق کوئی خاص کھانا ان کی عام غذا ہو تو اس کے لئے وہی تیار ہوتا تھا۔مثلاً جب سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی رضی اللہ عنہ اور مکرمی سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب رضی اللہ عنہ بمبئی سے آتے تو ان کے لئے چاول پکا کرتے تھے خواہ خشکہ کی صورت میں خواہ پلاؤ کی صورت میں۔اس لئے کے وہ لوگ اسی کے کھانے کے عادی تھے یا حیدر آباد سے کوئی آتا اس کے لئے چاول اور کھٹا سالن تیار ہوتا تھا۔

(الحکم 21/فروری 1934ء صفحہ4)

آپ کی خوراک

حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادقؓ صاحب نے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب دستر خوان پر بیٹھتے تو آپ ایک روٹی کے دوٹکڑے کرتے۔ پھر ایک ٹکڑے کے دوٹکڑے کرتے اور اس طرح پر ایک ٹکڑا لے کر اس میں سے بہت چھوٹا سا ٹکڑا لے کر اسے شوربے سے ذرا مس کر کے کھاتے تھے۔

میں ذرا اسے مکمل کرنے کے لئے یوں کہنا چاہتا ہوں کہ جب باہر مہمانوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ تو آپ کا معمول یہ ہوتا تھا کہ دستر خوان بچھ جانے اور کھانا چنے جانے کے بعد آپ پوچھا کرتے کہ کیوں جی شروع کریں؟ اس سے یہ مقصد ہوتا تھا کہ کوئی مہمان رہ تو نہیں گیا یا سب کے سامنے کھانا رکھا گیا ہے۔ پھر جواب ملنے پر آپ شروع فرماتے تھے۔

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کھانے کی مقدار بہت کم ہوتی تھی اور آپ تمام مہمانوں کے بعد تک کھاتے رہتے تھے۔ یعنی سب سے آخر میں جو شخص کھانا ختم کرتا وہ آپ کی ذات ہوتی اور یہ اس لئے کہ کوئی مہمان صرف یہ سمجھ کر کھانے سے دستکش نہ ہو جاوے کہ سب کھا چکے ہیں اور اس طرح پر بھوکا نہ رہے۔ آپ کے کھانے کی مقدار بہت کم تھی اور آپ سالن یا ترکاری بہت ہی کم کھاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب کھانا اٹھایا جاتا تو آپ کے سالن کا پیالہ قریباً ویسا ہی ہوتا تھا اور روٹی کے ٹکڑے بھی سب سے زیادہ آپ کے سامنے سے اٹھتے تھے۔ جس کو لوگ تبرک یقین کر کے اٹھا لیا کرتے تھے۔ اور باہم تقسیم کرتے تھے۔

کھانا کھانے میں لذّتِ نفس مقصود نہ تھا

آپ کا معمول تھا کہ آپ اپنی ترکاری یا سالن میں سے کچھ بوٹیاں یا اور کوئی چیز روٹی پر رکھ کر بعض قریب بیٹھنے والے دوستوں کو اور بعض اوقات ان دوستوں کو بھی دے دیتے جو قریب نہیں ہوتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ کھانا کھاتے ہوئے آپ باتیں بھی کرتے رہتے تھے۔ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے آپ صرف روکھی روٹی کا ٹکڑا منہ میں ڈال لیا کرتے تھے اور پھر انگلی کا سرا شوربے میں تر کر کے زبان سے چھوا دیا کرتے تھے۔ تا کہ لقمہ نمکین ہو جائے غرض آپ کو زیادہ سالن یا ترکاری کھانے کی عادت نہ تھی۔ آپ صرف اس لئے کھاتے تھے کہ قوت حاصل ہو اور آپ خدمت دین کا کام کر سکیں۔ لذت نفس آپ کے مقاصد میں داخل نہ تھی۔ اس لئے بارہا آپ نے فرمایا کہ ہمیں تو کھانا کھا کر یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کیا پکا تھا اور ہم نے کیا کھایا۔ آپ کا عمل سعدی کے اس مقولہ کی تشریح تھی۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است

اور آپ نے سعدی کے اس شعر کو بعض تقریروں میں بیان بھی کیا۔ کم کھانے پر آپ اس حد تک قابو یافتہ تھے کہ ایک بار فرمایا اور آپ کی تحریروں میں بھی موجود ہے کہ آپ وحی الٰہی کی ہدایت سے متواتر روزے رکھ رہے تھے تو اس قدر کم کھایا کرتے تھے کہ آپ کو اپنے نفس پر اس قدر قابو حاصل ہو گیا کہ آپ نے فرمایا کہ ایک پہلوان کو میرے ساتھ ایک کمرے میں بند کر دیا جاوے تو قبل اس کے کہ مجھے کھانے کی حاجت ہو وہ مر جائے گا۔ آپ کو بھوک اور پیاس پر حکومت اور قدرت حاصل ہو چکی تھی۔

چونکہ آپ کا مقصد کھانے سے صرف قوت حاصل کرنا تھا نہ کہ لذت اور ذائقہ اس لئے آپ عموماً وہ چیزیں کھاتے تھے۔ جو آپ کی طبیعت کے موافق ہوتی تھیں اور جن سے دماغی قوت قائم رہے تا کہ کام میں ہرج نہ ہو۔

کھانا بدمزہ ہونے پر بھی کبھی اظہار ناراضگی نہ فرماتے

آپ نے کھانے کے بدمزہ ہونے پر کبھی اظہار ناراضگی نہیں کیا۔ جو آپ کے سامنے آ جاتا آپ حسب ضرورت کھا لیتے تھے۔ ایک مرتبہ منشی عبدالحق صاحب لاہوری نے بمقام امرتسر کہا کہ آپ کے کھانے کے لئے خاص انتظام ہونا چاہئے اور گھر کے لوگوں کو سختی سے حکم دیا جائے حضرت مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ نے بھی تائید کر دی آپ نے فرمایا:۔

ہمارے دوستوں کو ایسا نہیں ہونا چاہئے۔

(اخبار الحکم 28/جنوری 1934 صفحہ 2)

جنگل کے پرندوں کی مہمان نوازی کا ذکر

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ روایت فرماتے ہیں:۔

ایک شب کا ذکر ہے کہ کچھ مہمان آئے جن کے واسطے جگہ کے انتظام کے لئے حضرت اُمُّ المومنینؓ حیران ہو رہی تھیں کہ سارا مکان تو پہلے ہی کشتی کی طرح پُر ہے۔ اب ان کو کہاں ٹھہرایا جائے۔ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اکرام ضیف کا ذکر کرتے ہوئے حضرت بیوی صاحبہ کو پرندوں کا ایک قصہ سنایا۔ چونکہ میں بالکل ملحقہ کمرے میں تھا اور کوارٹروں کی ساخت پرانے طرز کی تھی۔ جن کی اندر سے آواز بآسانی دوسری طرف پہنچتی رہتی ہے۔ اس واسطے میں نے اس سارے قصہ کو سنا۔

فرمایا، دیکھو ایک دفعہ جنگل میں ایک مسافر کو شام ہوگئی۔ رات اندھیری تھی۔ قریب کوئی بستی اسے دکھائی نہ دی اور وہ ناچار ایک درخت کے نیچے رات گزارنے کے واسطے بیٹھ رہا۔ اس درخت کے اوپر ایک پرندے کا آشیانہ تھا۔ پرندہ اپنی مادہ کے ساتھ باتیں کرنے لگا کہ دیکھو یہ مسافر جو ہمارے آشیانہ کے نیچے زمین پر آبیٹھا ہے یہ آج رات ہمارا مہمان ہے اور ہمارا فرض ہے کہ اس کی مہمان نوازی کریں۔ مادہ نے اس کے ساتھ اتفاق کیا اور ہر دو نے مشورہ کر کے یہ قرار دیا کہ ٹھنڈی رات ہے اور اس ہمارے مہمان کو آگ تاپنے کی ضرورت ہے اور تو کچھ ہمارے پاس نہیں۔ ہم اپنا آشیانہ ہی توڑ کر نیچے پھینک دیں تا کہ وہ ان لکڑیوں کو جلا کر آگ تاپ لے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور سارا آشیانہ تنکا تنکا کر کے نیچے پھینک دیا۔ اس کو مسافر نے غنیمت جانا اور ان سب لکڑیوں کو تنکوں کو جمع کر کے آگ جلائی اور تاپنے لگا۔ تب درختوں پر اس پرندوں کے جوڑے نے پھر مشورہ کیا کہ آگ ہم نے اپنے مہمان کو بہم پہنچائی اور اس کے واسطے سیکنے کا سامان مہیا کیا۔ اب ہمیں چاہئے کہ اسے کچھ کھانے کو بھی دیں اور تو ہمارے پاس کچھ نہیں۔ ہم خود ہی اس آگ میں جا گریں اور مسافر ہمیں بھون کر ہمارا گوشت کھالے۔ چنانچہ ان پرندوں نے ایسا ہی کیا اور مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔

(ذکر حبیب صفحہ 87,86)

آپ کا گھر بطور لنگر خانہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے تحریر فرماتے ہیں:۔

ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ لنگر کا انتظام حضرت مسیح موعودؑ کے ابتدائی ایام میں گھر میں ہی تھا۔ گھر میں دال سالن پکتا اور لوہے کے ایک بڑے توے پر جسے ''لوہ'' کہتے ہیں روٹی پکائی جاتی۔ پھر باہر مہمان کو بھیج دی جاتی۔ اس لوہ پر ایک وقت میں دو تین نوکرانیاں بیٹھ کر بہت سی روٹیاں یکدم پکالیا کرتی تھیں۔ اس کے بعد جب باہر انتظام ہوا تو پہلے اس مکان میں لنگر خانہ منتقل ہوا جہاں اب نواب صاحب کا شہر والا مکان کھڑا ہے۔ پھر باہر مہمان خانہ میں چلا گیا۔

مہمانوں کے لئے عمدہ کھانے کا انتظام

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے تحریر فرماتے ہیں:۔ بیان کیا ہم سے حافظ روشن علی صاحبؓ نے کہ ان سے ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے بیان کیا تھا کہ ایک دفعہ جب کوئی جلسہ وغیرہ کا موقعہ تھا اور ہم لوگ حضرت صاحبؑ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مہمانوں کے لئے باہر پلاؤ زردہ وغیرہ پک رہا تھا کہ حضرت صاحب کے واسطے اندر سے کھانا آگیا۔ ہم سمجھتے تھے کہ یہ بہت عمدہ کھانا ہوگا لیکن دیکھا تو تھوڑا سا خشکہ تھا اور کچھ دال تھی اور صرف ایک آدمی کی مقدار کا کھانا تھا۔ حضرت صاحب نے ہم لوگوں سے فرمایا آپ بھی کھانا کھالیں۔ چنانچہ ہم بھی ساتھ شامل ہوگئے۔ حافظ صاحب کہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب بیان کیا کرتے کہ اس کھانے سے ہم سب سیر ہوگئے حالانکہ ہم بہت سے آدمی تھے۔

(سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ 135)

کھانے میں برکت

اسی طرح آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ سنوریؓ نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ نے چند مہمانوں کی دعوت کی اور ان کے واسطے گھر میں کھانا تیار کروایا۔ مگر عین جس وقت کھانے کا وقت آیا اتنے ہی اور مہمان آ گئے اور مسجد مبارک مہمانوں سے بھر گئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اندر کہلا بھیجا اور مہمان آ گئے ہیں کھانا زیادہ بھجواؤ۔ اس پر بیوی صاحبہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اندر بلوا بھیجا اور کہا کہ کھانا تو تھوڑا ہے، صرف ان چند مہمانوں کے مطابق پکایا گیا تھا جن کے واسطے آپ نے کہا تھا مگر شاید باقی کھانے کا تو کچھ کھینچ تان کر انتظام ہو سکے گا لیکن زردہ تو بہت ہی تھوڑا ہے اس کا کیا کیا جاوے۔ میرا خیال ہے کہ زردہ بھجواتی ہی نہیں۔ صرف باقی کھانا نکال دیتی ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا نہیں یہ مناسب نہیں۔ تم زردہ کا برتن میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ حضرت صاحب نے اس برتن پر رومال ڈھانک دیا اور پھر رومال کے نیچے اپنا ہاتھ گزار کر اپنی انگلیاں زردہ میں داخل کر دیں اور پھر کہا اب تم سب کے واسطے کھانا نکالو خدا برکت دے گا۔ چنانچہ میاں عبداللہ صاحبؓ کہتے ہیں کہ زردہ سب کے واسطے آیا اور سب نے یہ کھایا اور سب سیر ہو گئے۔

کھانے پر دم کرنا

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اماں جانؓ نے فرمایا:۔

ایسے واقعات بارہا ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا کس طرح والدہ صاحبہ نے فرمایا یہی کہ تھوڑا کھانا تیار ہوا اور پھر مہمان زیادہ آ گئے۔ مثلاً پچاس کا کھانا ہوا تو سو آ گئے لیکن وہی کھانا حضرت صاحب کے دم سے کافی ہو جاتا رہا۔ پھر حضرت والدہ صاحبہ نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ کوئی شخص حضرت صاحب کے واسطے ایک مرغ لایا۔ میں نے حضرت صاحب کے واسطے اس کا پلاؤ تیار کروایا تھا مگر اسی دن اتفاق ایسا ہوا کہ نواب صاحب نے اپنے گھر میں دھونی دلوائی تو نواب صاحب کے بیوی بچے بھی ادھر ہمارے گھر آ گئے اور حضرت صاحب نے فرمایا کہ ان کو بھی کھانا کھلاؤ۔ میں نے کہا کہ چاول تو بالکل ہی تھوڑے ہیں صرف آپ کے واسطے تیار کروائے تھے۔ حضرت صاحب نے فرمایا چاول کہاں ہیں۔ پھر حضرت صاحب نے چاولوں کے پاس آ کر ان پر دم کیا اور کہا اب تقسیم کر دو۔ والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ ان چاولوں میں ایسی برکت ہوئی کہ نواب صاحب کے سارے گھر نے کھائے اور پھر بڑے مولوی صاحب (یعنی حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ) اور مولوی عبدالکریم صاحب کو بھی بھجوائے گئے اور قادیان میں اور بھی کئی لوگوں کو دیئے گئے اور چونکہ وہ برکت والے چاول مشہور ہو گئے تھے اس لئے کئی لوگوں نے آ آ کر ہم سے مانگے اور ہم نے تھوڑے تھوڑے تقسیم کئے اور وہ سب کے لئے کافی ہو گئے۔

(سیرت طیبہ صفحہ 302-303)

پگڑی کے کپڑا میں کھانا باندھ کر دینا

''حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے بیان کیا کہ جب میں قادیان سے واپس لاہور جایا کرتا تھا تو حضرت صاحب اندر سے میرے لئے ساتھ لے جانے کے واسطے کھانا بھجوایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب میں شام کے قریب قادیان سے آنے لگا تو حضرت صاحب نے اندر سے میرے واسطے کھانا منگایا۔ جو خادم کھانا لایا وہ یونہی کھلا کھانا لے آیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ مفتی صاحب یہ کھانا کس طرح ساتھ لے جائیں گے کوئی رومال بھی تو ساتھ لانا تھا جس میں کھانا باندھ دیا جاتا۔ اچھا میں کچھ انتظام کرتا ہوں اور پھر آپ نے اپنے سر کی پگڑی کا ایک کنارہ کا ٹکڑا پھاڑا اور اس میں وہ کھانا باندھ دیا۔''

(الحکم 28 جنوری 1934ء صفحہ 3)

مہمان کی خاطر داری

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے تحریر فرماتے ہیں:۔"قاضی محمد یوسف صاحب، پشاور نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ ایک دفعہ میں اور عبدالرحیم خان صاحب پسر مولوی غلام حسن خان صاحب پشاوری مسجد مبارک میں کھانا کھا رہے تھے جو حضرت صاحب کے گھر سے آیا تھا۔ ناگاہ میری نظر کھانے میں ایک مکھی پر پڑی۔ چونکہ مجھے مکھی سے طبعاً نفرت ہے میں نے کھانا ترک کر دیا۔اس پر حضرت کے گھر کی ایک خادمہ کھانا اٹھا کر واپس لے گئی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت حضرت صاحب اندرون خانہ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ خادمہ پاس سے گزری تو اس نے حضرت صاحب سے یہ ماجرا عرض کر دیا۔ حضرت صاحب نے فوراً اپنے سامنے کا کھانا اٹھا کر اس خادمہ کے حوالے کر دیا کہ یہ لے جاؤ اور اپنے ہاتھ کا نوالہ بھی برتن ہی میں چھوڑ دیا۔ وہ خادمہ خوشی خوشی ہمارے پاس وہ کھانا لائی اور کہا کہ لو حضرت صاحب نے اپنا تبرک دے دیا ہے۔اس وقت مسجد میں سید عبدالجبار صاحب بھی جو گزشتہ ایام میں کچھ عرصہ بادشاہ سوات بھی رہے ہیں، موجود تھے۔ چنانچہ وہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گئے۔"

(سیرت المھدی جلد اوّل صفحہ 309)

مہمان کی خواہش پوری کرنا

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ اوائل میں حضرت مسیح موعودؑ مدتوں دونوں وقت کا کھانا مہمانوں کے ہمراہ باہر کھایا کرتے تھے۔کبھی پلاؤ اور زردہ پکتا تو مولوی عبدالکریم صاحب ان دونوں چیزوں کو ملا لیا کرتے تھے۔ آپ یہ دیکھ کر فرماتے کہ ہم تو ان دونوں کو ملا کر نہیں کھا سکتے۔کبھی مولوی صاحب کھانا کھاتے ہوئے کہتے کہ اس وقت اچار کو دل چاہتا ہے اور کسی ملازم کی طرف اشارہ کرتے تو حضرت صاحب فوراً دستر خوان پر سے اٹھ کر بیت الفکر کی کھڑکی میں سے اندر چلے جاتے اور اچار لے آتے۔

میاں نظام الدین صاحب کے ساتھ کھانا کھانے کا واقعہ

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی بیان کرتے ہیں۔"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ مغرب کے بعد مسجد مبارک کی دوسری چھت پر مع چند احباب کھانا کھانے کے لئے تشریف فرما تھے۔ایک احمدی میاں نظام الدین ساکن لدھیانہ جو بہت غریب آدمی تھے اور ان کے کپڑے بھی دریدہ تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ سے چار پانچ آدمیوں کے فاصلہ پر بیٹھے۔اتنے میں کئی دیگر اشخاص خصوصاً وہ لوگ جو بعد میں لاہوری کہلائے، آتے گئے اور آپؑ کے قریب بیٹھتے گئے۔جس کی وجہ سے میاں نظام الدین کو پرے ہٹنا پڑتا رہا حتیٰ کہ وہ جوتیوں کی جگہ تک پہنچ گئے۔اتنے میں کھانا آیا تو آپ نے ایک سالن کا پیالہ اور کچھ روٹیاں ہاتھ میں اٹھا لیں اور میاں نظام الدین کو مخاطب کر کے فرمایا آؤ میاں نظام الدین صاحب ہم اور آپ اندر بیٹھ کر کھانا کھائیں اور یہ فرما کر مسجد کے صحن کے ساتھ جو کوٹھڑی ہے اس میں تشریف لے گئے اور حضرت صاحب نے اور میاں نظام الدین نے کوٹھڑی کے اندر ایک پیالہ میں کھانا کھایا اور کوئی اندر نہیں گیا۔ جو لوگ قریب آ کر بیٹھتے گئے تھے ان کے چہروں پر شرمندگی ظاہر تھی۔"

(سیرت طیبہ صفحہ 188)

مہمان کو اپنا لحاف دے دیا

حضرت منشی ظفر احمد صاحب بیان فرماتے ہیں:۔ایک دفعہ جلسہ سالانہ پر بہت سے آدمی آئے جن کے پاس کوئی پارچہ سرمائی نہ تھا۔ایک شخص نبی بخش نمبردار ساکن بٹالہ نے اندر سے لحاف بچھونے منگوانے شروع کئے اور مہمانوں کو دیتا رہا۔ میں عشاء کے بعد حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ بغلوں میں ہاتھ دیئے بیٹھے تھے اور ایک صاحبزادہ جو غالباً حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تھے پاس لیٹے تھے اور ایک شتری چوغہ انہیں اوڑھا رکھا تھا۔ معلوم ہوا کہ آپ نے بھی اپنا لحاف بچھونا طلب کرنے پر مہمانوں کے لئے بھیج دیا تھا۔ میں نے عرض کی کہ آپ کے پاس کوئی پارچہ نہیں رہا اور سردی بہت ہے فرمانے

لگے مہمانوں کو تکلیف نہیں ہونی چاہئے اور ہمارا کیا ہے رات گزر جائے گی۔ نیچے آ کر میں نے نبی بخش نمبردار کو بہت برا بھلا کہا کہ تم حضرت صاحب کا لحاف بچھونا بھی لے آئے۔ وہ شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ جس کو دے چکا ہوں اس سے کس طرح واپس لوں۔ پھر میں مفتی فضل الرحمٰن صاحب یا کسی اور سے ٹھیک یاد نہیں رہا لحاف بچھونا مانگ کر اوپر لے گیا۔ آپ نے فرمایا کہ کسی اور کو دے دو مجھے تو اکثر نیند بھی نہیں آیا کرتی اور میرے اصرار پر بھی آپ نے نہ لیا اور فرمایا کسی مہمان کو دے دو پھر میں لے آیا۔

(اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ 126)

خدام کی دلداری کا خیال

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی بیان فرماتے ہیں:۔

حضرت صاحب کو اپنے خدام کی دلداری کا بہت بڑا خیال رہتا تھا اور آپ ان کے لئے خود اپنی ذات سے ہر قسم کی قربانی اور ایثار کا عملاً اظہار فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ عید کا دن تھا اور میرا صافہ سر صاف نہ تھا۔ اس لئے کہ جب کبھی ہم آتے تھے تو ایک آدھ دن کی فرصت نکال کر آتے لیکن جب یہاں آتے اور حضرت صاحب قیام کا حکم دے دیتے تو پھر ہمیں ملازمت کے چلے جانے کا بھی خیال نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح عید کا دن آ گیا اور میں ایک ہی صافہ لے کر آیا تھا اور وہ میلا ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ بازار سے جا کر خرید لاؤں۔ چنانچہ میں بازار کی طرف جا رہا تھا۔ آپ نے مجھے دیکھ لیا اور آپ کی فراست تو خداداد تھی پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ عید کا دن ہے میرا صافہ میلا ہے میں بازار سے خریدنے جا رہا ہوں۔ اسی وقت وہاں ہی کھڑے اپنا عمامہ شریف اتار کر مجھے دیا اور فرمایا کہ یہ آپ کو پسند ہے؟ آپ لے لیں۔ میں دوسرا باندھ لیتا ہوں۔ مجھ پر اس محبت اور شفقت کا جو اثر ہوا الفاظ اسے ادا نہیں کر سکتے۔ میں نے نہایت احترام کے ساتھ اس عمامہ کو لے لیا اور آپ بے تکلف گھر تشریف لے گئے اور دوسرا عمامہ باندھ کر آ گئے۔

(اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ150،151)

مہمانوں کو بٹالہ والی نہر تک چھوڑنے تشریف لے جایا کرتے تھے

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ بیان فرماتے ہیں:۔

''ایک دفعہ میں قادیان سے رخصت ہونے لگا اور حضرت بانی سلسلہؑ نے اجازت دی۔ پھر فرمایا کہ ٹھہر جائیں۔ آپ دودھ کا گلاس لے آئے اور فرمایا پی لیں۔ شیخ رحمت اللہ صاحب بھی آ گئے۔ پھر ان کے لئے بھی حضرت صاحب دودھ کا گلاس لائے اور پھر نہر تک ہمیں چھوڑنے کے لئے تشریف لائے اور بہت دفعہ نہر تک ہمیں چھوڑنے کے لئے تشریف لاتے۔''

(اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ134)

مہمانوں کی عادت اور پسند کا خیال رکھنا

ایک اور روایت میں حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلویؓ بیان کرتے ہیں:۔

''میں قادیان میں مسجد مبارک سے ملحق کمرے میں ٹھہرا کرتا تھا۔ میں ایک دفعہ سحری کھا رہا تھا۔ حضرت صاحب تشریف لے آئے۔ دیکھ کر فرمایا آپ دال سے روٹی کھا رہے ہیں؟ اور اسی وقت منتظم کو بلایا اور فرمانے لگے کہ آپ سحری کے وقت دوستوں کو ایسا کھانا دیتے ہیں۔ یہاں ہمارے جس قدر احباب ہیں وہ سفر میں نہیں۔ ہر ایک سے دریافت کرو کہ ان کو کیا کیا چیز کھانے کی عادت ہے اور وہ سحری کو کیا کیا چیز پسند کرتے ہیں۔ ویسا ہی کھانا ان کے لئے تیار کیا جائے۔ پھر منتظم میرے لئے کھانا لایا مگر میں کھانا کھا چکا تھا۔''

(اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ141)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے اپنی کتاب سلسلہ احمدیہ میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی مہمان نوازی سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طبیعت نہایت درجہ مہمان نواز تھی اور جو لوگ

جلسہ کے موقعہ پر یا دوسرے موقعوں پر قادیان آتے تھے خواہ وہ احمدی ہوں یا غیر احمدی وہ آپ کی محبت اور مہمان نوازی سے پورا پورا حصہ پاتے تھے اور آپ کو ان کے آرام و آسائش کا از حد خیال رہتا تھا۔ آپ کی طبیعت میں تکلف بالکل نہیں تھا اور ہر مہمان کو ایک عزیز کے طور پر ملتے تھے اور اس کی خدمت اور مہمان نوازی میں دلی خوشی پاتے تھے۔

اوائل زمانہ کے آنے والے لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی مہمان آتا تو آپ ہمیشہ اسے مسکراتے ہوئے چہرہ سے ملتے، مصافحہ کرتے، خیریت پوچھتے، عزت کے ساتھ بٹھاتے، گرمی کا موسم ہوتا تو شربت بنا کر پیش کرتے، سردیاں ہوتیں تو چائے وغیرہ تیار کروا کے لاتے، رہائش کی جگہ کا انتظام کرتے اور کھانے وغیرہ کے متعلق مہمان خانہ کے منتظمین کو خود بلا کر تاکید فرماتے کہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

(سلسلہ احمدیہ جلد اول صفحہ 43)

ایک دوسری روایت میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے سیرۃ طیبہ میں یہ تحریر فرماتے تھے:

ایک بہت شریف اور بڑے غریب مزاج احمدی سیٹھی غلام نبی صاحب ہوتے تھے جو رہنے والے تو چکوال کے تھے مگر راولپنڈی میں دکان کیا کرتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں حضرت مسیح موعودؑ کی ملاقات کے لئے قادیان آیا۔ سردی کا موسم تھا اور کچھ بارش بھی ہو رہی تھی۔ میں شام کے وقت قادیان پہنچا تھا۔ رات کو جب میں کھانا کھا کر لیٹ گیا اور کافی رات گزر گئی اور قریباً بارہ بجے کا وقت ہو گیا تو کسی نے میرے کمرے کے دروازہ پر دستک دی۔ میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو حضرت مسیح موعودؑ کھڑے تھے۔ ایک ہاتھ میں گرم دودھ کا گلاس تھا اور دوسرے ہاتھ میں لالٹین تھی۔ میں حضور کو دیکھ کر گھبرا گیا مگر حضور نے بڑی شفقت سے فرمایا کہیں سے دودھ آ گیا تھا میں نے کہا آپ کو دے آؤں۔ آپ یہ دودھ پی لیں۔ آپ کو شاید دودھ کی عادت ہو گی اس لئے یہ دودھ آپ کے لئے لایا ہوں۔ سیٹھی صاحب کہا کرتے تھے کہ میری آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے کہ سُبْحَان اللّٰہ کیا اخلاق ہیں۔ یہ خدا کا برگزیدہ اپنے ادنیٰ خادموں تک کی خدمت اور دلداری میں کتنی لذّت پاتا اور کتنی تکلیف اٹھاتا ہے!!۔

اس واقعہ سے مسیح کے جذبہ مہمان نوازی کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔

(سیرت طیبہ صفحہ 69، 70)

مہمانوں کا سامان خود یکہ سے اتارنا

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپوری تھلوی روایت کرتے ہیں:۔

''ایک دفعہ دو شخص منی پور آسام سے قادیان آئے اور مہمان خانہ کے پاس پہنچ کر لنگر خانہ کے خادموں کو اپنا سامان اتارنے اور چارپائی بچھانے کو کہا۔ لیکن ان خدام کو اس طرف فوری توجہ نہ ہوئی اور وہ ان مہمانوں کو یہ کہہ کر دوسری طرف چلے گئے کہ آپ یکہ سے سامان اتاریں چارپائی بھی آجائے گی۔ ان تھکے ماندے مہمانوں کو یہ جواب ناگوار گزرا اور وہ رنجیدہ ہو کر اسی وقت بٹالہ کی طرف واپس روانہ ہو گئے۔ مگر جب حضرت صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نہایت جلدی ایسی حالت میں کہ جوتا پہننا بھی مشکل ہو گیا ان کے پیچھے بٹالہ کے رستہ پر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چل پڑے۔ چند خدام بھی ساتھ ہو لئے۔ حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ روایت کرتے ہیں کہ میں بھی ساتھ ہو لیا۔ حضرت صاحب اس وقت اتنی تیزی کے ساتھ ان کے پیچھے گئے کہ قادیان سے اڑھائی میل پر نہر کے پل کے پاس انہیں جا لیا اور بڑی محبت اور معذرت کے ساتھ اصرار کیا کہ واپس چلیں اور فرمایا آپ کے واپس چلے جانے سے مجھے بہت تکلیف ہوئی ہے۔ آپ یکہ پر سوار ہو جائیں میں آپ کے ساتھ پیدل چلوں گا۔ مگر وہ احترام اور شرمندگی کی وجہ سے سوار نہ ہوئے اور آپ انہیں اپنے ساتھ لے کر قادیان واپس آ گئے اور مہمان خانہ میں پہنچ کر ان کا سامان اتارنے کے لئے آپ نے اپنا ہاتھ یکہ کی طرف بڑھایا مگر خدام نے آگے بڑھ کر سامان اتار لیا۔ اس کے بعد حضرت صاحب ان کے پاس

بیٹھ کر محبت اور دلداری کی گفتگو فرماتے رہے اور کھانا وغیرہ کے متعلق بھی پوچھا کہ آپ کیا کھانا پسند کرتے ہیں اور کسی خاص کھانا کھانے کی عادت تو نہیں؟ اور جب تک کھانا بن نہ گیا حضور ان کے پاس بیٹھے ہوئے بڑی شفقت کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔

دوسرے دن جب یہ مہمان واپس روانہ ہونے لگے تو حضرت صاحب نے دودھ کے دو گلاس منگوا کر ان کے سامنے بڑی محبت سے پیش کئے اور پھر دو اڑھائی میل پیدل چل کر بٹالہ کے رستے والی نہر تک چھوڑنے کے لئے ان کے ساتھ گئے اور اپنے سامنے یکہ پر سوار کرا کے واپس تشریف لائے۔

(اصحاب احمد جلد چھارم صفحہ 112، 113)

اسی عظیم خلق کے نتیجہ میں لنگر خانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بنیاد رکھی گئی۔ لنگر خانہ کی تاریخ کا مطالعہ غیر معمولی طور پر ایمان کی تازگی کے سامان مہیا کرتا ہے۔

مہمانوں کو خود گھر سے کھانا لا کر پیش کرنا

حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحبؓ روایت فرماتے ہیں:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے دوستوں کی بہت خدمت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں حضور کی ملاقات کے لئے قادیان آیا۔ میں نے مسجد مبارک میں حضورؑ سے ملاقات کی۔ باتیں کرتے رہے فرمانے لگے۔ مفتی صاحب آپ کو بھوک لگی ہوگی۔ میں آپ کے لئے کھانا لاتا ہوں۔ میں نے سمجھا اندر سے کسی خادمہ کے ہاتھ کھانا بھیج دیں گے۔ حضورؑ ایک کھڑکی میں سے تشریف لایا کرتے تھے۔ جو کہ مسجد کی طرف کھلتی تھی۔ چند منٹ کے بعد وہ کھڑکی کھلی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضور خود مجمع اٹھائے ہوئے ہیں۔ جس میں سالن اور روٹی رکھی ہوئی تھی آئے، بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ تو اس پر حضور نے فرمایا مفتی صاحب آپ روتے کیوں ہیں۔ ہم تو اپنے دوستوں کی اس لئے خدمت کرتے ہیں تا کہ وہ بھی اپنے دوستوں کی خدمت کریں اور ہم تو لوگوں کی خدمت کے لئے آئے ہیں۔ آپ اس قدر پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ میں نے کہا دیکھو یہ خدا کا پاک مسیحؑ میرے جیسے نابکار کی خدمت کرتا ہے۔ کس قدر حیرت کا مقام ہے۔ اصل میں انبیاء دنیا کی خدمت کے لئے آتے ہیں۔ وہ دنیا کے لئے ایک نمونہ ہوتے ہیں۔ تا کہ لوگ ان کے اسوہ سے سبق حاصل کریں۔

(اخبار الحکم 14،21/ نومبر 1936 صفحہ 3)

مہمانوں سے حسن سلوک

حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں:

''مہمان خانہ کے متعلق مجھے ایک بات یاد آ گئی کہ ایک حافظ حامد علی صاحب تھے۔ ایک دفعہ ایک مہمان آئے۔ حضرت صاحب نے حکم دیا کہ ان کو لحاف دے دیا جائے۔ تو حافظ صاحب نے کہا۔ نہیں حضور یہ لحاف لے کر بھاگ جائے گا۔ حضور نے فرمایا کہ نہیں دے دو۔ اگر یہ لے گیا تو اس کا وبال اس پر ہے۔ ہم پر تو نہیں۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس ایک نہایت خوبصورت حمائل تھی۔ ایک مہمان آئے۔ انہوں نے وہ حمائل مجھ سے مانگی۔ میں نے ان کو دے دی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔ **اما السائل فلا تنهر۔**''

(اخبار الحکم 1،21/ نومبر 1936ء صفحہ 4)

مہمانوں کے ساتھ محبت اور بے تکلفی

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ تحریر فرماتے ہیں:

'' آپؑ اکرام ضیف کی نہ صرف تاکید فرماتے بلکہ عملاً اس کا سبق دیا کرتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ جب کوئی مہمان آیا۔ تو آپ بہ نفس نفیس اس کے لئے موسم کے لحاظ سے چائے یا لسی وغیرہ خود اٹھا کر بے تکلفی سے لے آئے اور اصرار کر کے پلایا۔ ایسا بھی ہوتا کہ کوئی دوست قادیان سے ایام اقامت پورے کر کے رخصت ہوتا۔ تو آپ اس کے لئے راستہ کے لئے ناشتہ وغیرہ لے کر آ جاتے

یا موسم کے لحاظ سے دودھ وغیرہ لے کر آتے۔کبھی ایسا بھی ہوا کہ تربیت کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح سے جو کہ اس وقت بچے تھے' اٹھوا کر لاتے۔

عام طور پر اپنی تقریروں میں مجلسوں میں فرماتے رہتے کہ **مـــا انـــا مــن المـتـكـلـفـين**۔ہمارے مہمانوں میں سے جو تکلف کرتا ہے' اسے تکلیف ہوتی ہے۔اس لئے جو ضرورت ہو اسے کہہ دیا کرو۔آپ جب باہر کھانا کھایا کرتے تھے تو سب سے آخر تک کھاتے رہتے اور بہت ہی کم کھاتے تھے۔سب سے آخر تک اس لئے کھاتے رہتے کہ اگر کوئی نیا مہمان کسی وجہ سے کھانے میں حیا کرتا ہے تو یہ سمجھ کر کہ حضور کھا رہے ہیں، ہاتھ نہ اٹھالے۔

مہمانوں کی خاطر داری میں آپ کے اخلاقی خوارق بے حد ہیں۔ایک مرتبہ ضلع جہلم کے دو شخص جو بہت ہی ضعیف العمر تھے حاضر ہوئے۔آپؑ سیر کو تشریف لے جا رہے تھے۔وہ چل نہیں سکتے تھے۔وہاں ہی کھڑے ہو گئے اور دیر تک ان کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔جب دیکھا کہ ان کے دل کے کنول کھل گئے ہیں اور انہوں نے سعادت کبریٰ حاصل کر لی۔تو آپ نے ان کو ٹھہرنے کا حکم دیا اور آپ معمولاً سیر کو چلے گئے۔

ہماری جماعت کا اصول ہی بے تکلفی ہے

گورداسپور مقدمات کے سلسلہ میں آپ ٹھہرے ہوئے تھے۔بابا ہدایت اللہ صاحب جو پنجابی کے بڑے مشہور شاعر تھے۔انہوں نے اجازت چاہی۔آپؑ نے ان کو فرمایا آپ جا کر کیا کریں گے۔اگر کوئی تکلیف ہو تو بتا دو۔اس کا انتظام کر دیا جاوے۔پھر اس کے بعد عام طور پر آپؑ نے جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا' چونکہ آدمی بہت ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ کسی کی ضرورت کا علم نہ ہو اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ جس شے کی اسے ضرورت ہو وہ بے تکلف کہہ دے اور اگر جان بوجھ کر چھپاتا ہے تو وہ گنہگار ہے۔ہماری جماعت کا اصول ہی بے تکلفی ہے اور بابا ہدایت اللہ صاحب کو مولوی سید سرور شاہ صاحب کے سپرد کر دیا کہ آپ ان کی ضروریات اور آرام کا لحاظ رکھیں۔

(الحکم 28/مارچ،7اپریل/1936ء صفحہ 3)

مہمان کو اپنی چار پائی دے دینا

حضرت جناب پیر سراج الحق صاحب رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

اب میں واقعہ لکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میرے لئے جو ایک چار پائی حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دے رکھی تھی۔جب مہمان آتے تو میری چار پائی پر بعض صاحب لیٹ جاتے اور میں مصلّٰی زمین پر بچھا کر لیٹ جاتا اور جو میں بستر چار پائی پر بچھا لیتا۔تو بعض مہمان اسی چار پائی بستر شدہ پر لیٹ جاتے۔میرے دل میں ذرہ بھر بھی رنج یا ملال نہ ہوتا اور میں سمجھتا کہ یہ مہمان ہیں اور ہم یہاں کے رہنے والے ہیں اور بعض صاحب میرا بستر چار پائی کے نیچے زمین پر پھینک دیتے اور آپ اپنا بستر بچھا کر لیٹ جاتے۔ایک دفعہ ایسا ہی ہوا۔تو حضرت اقدس علیہ السلام کو ایک عورت نے خبر دے دی کہ پیر صاحب زمین پر لیٹے پڑے ہیں۔آپ نے فرمایا چار پائی کہاں گئی۔اس نے کہا۔مجھے معلوم نہیں۔آپ فوراً باہر تشریف لائے اور گول کمرہ کے سامنے مجھے بلایا کہ زمین پر کیوں لیٹ رہے ہو۔برسات کا موسم ہے اور سانپ بچھو کا خطرہ ہے۔میں نے سب حال عرض کیا کہ ایسا ہوتا ہے اور میں کسی کو کچھ نہیں کہتا۔آخر ان لوگوں کی تواضع اور خاطر و مدارت ہمارے ذمہ ہے۔یہ سن کر آپ اندر گئے اور ایک چار پائی میرے لئے بھجوا دی۔ایک روز تو وہ چار پائی میرے پاس رہی۔آخر پھر ایسا ہی معاملہ ہونے لگا۔جیسا کہ میں نے بیان کیا۔پھر کسی نے آپ سے کہہ دیا۔پھر آپ نے اور چار پائی بھجوا دی۔پھر ایک روز کے بعد وہی معاملہ پیش آیا۔پھر آپ کو کسی نے اطلاع دی اور صبح کی نماز کے بعد مجھ سے فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب! بات تو یہی ہے جو کہ تم کرتے ہو اور ہمارے احباب کو ایسا ہی کرنا چاہئے لیکن تم ایک کام کرو۔ہم ایک زنجیر لگا دیتے ہیں۔چار پائی میں زنجیر باندھ کر چھت سے لٹکا دیا کرو۔مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ یہ سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ ایسے بھی استاد آتے ہیں کہ جو اس کو بھی اتار لیں گے۔پھر آپ بھی ہنسنے لگے۔

(الحکم 21/اگست 1938ء صفحہ 4)

مہمانوں کو بٹالہ سٹیشن پر کھانا پہنچانا

حضرت منشی چراغ الدین صاحب آف بٹالہ تحریر فرماتے ہیں:

ہم نے چونکہ جانا تھا۔لنگر کے انتظام کے مطابق کھانا کھالیا۔مگر چونکہ حضرت اقدسؑ کو کپورتھلہ کی جماعت سے خاص انس تھا۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے اس جماعت کے لئے اس دن پلاؤ تیار کروایا تھا۔ جب وہ تیار ہوا۔تو حضورؑ نے کسی سے فرمایا کہ جماعت کپورتھلہ کو کھلا دو اس شخص نے عرض کیا۔ حضور وہ تو چلے گئے ہیں۔فرمایا:

یکہ پر کھانا بٹالہ لے جاؤ۔ جب وہ سٹیشن پر پہنچیں۔تو کھانا پیش کردو۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کا آدمی یکہ پر کھانا لے کر ہمارے پاس سے گزر گیا۔مگر ہمیں علم نہ ہوا۔ جب ہم سٹیشن پر پہنچے۔تو حضور علیہ السلام کی طرف سے کھانا پہلے سے موجود تھا۔حضور کے آدمی نے کہا کہ کھانا کھالیں۔ہم حیران ہوئے کہ یہ کھانا کہاں سے آیا۔اس پر اس نے سارا واقعہ سنایا۔

لنگر خانہ کے ٹکڑوں میں برکت

حضرت منشی چراغ الدین صاحب آف بٹالہ تحریر فرماتے ہیں:

ہم اس زمانہ میں لنگر کے ٹکڑے ساتھ رکھا کرتے تھے۔اگر کسی کو پیٹ میں درد ہوتی تھی۔تو وہ کوٹ کر کھلا دیتے تھے اور اوپر سے گرم پانی پلا دیتے تھے۔ مریض کو آرام آجاتا تھا۔

(اخبار الحکم 14،21جنوری 1943ء صفحہ 3)

مہمان کے لئے رات کو نئی چارپائی تیار کروانا

حضرت بابو غلام محمد صاحبؓ لدھیانہ تحریر فرماتے ہیں:

''غرض شام ہوگئی اور نماز مغرب ہم سب نے پڑھی اور ہم سب کے لئے بستر ے اور چارپائیوں کا انتظام ہوگیا مگر میرے لئے کوئی چارپائی نہ رہی۔نماز کے بعد جب حضور علیہ السلام نے مجھے دیکھا کہ میرے واسطے چارپائی نہیں تو مجھے فرمایا کہ آپ کے واسطے چارپائی نہیں ہے۔میں نے عرض کیا کہ حضور نہیں اور ویسے کوئی ضرورت بھی نہیں۔آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ میں تمہارے لئے چارپائی لاتا ہوں۔حضور خود مسجد مبارک کے نیچے تشریف لے گئے۔ جب بہت دیر ہوگئی تو میں یہ سمجھ کر کہ یہ مکان مردانہ معلوم ہوتا ہے۔ میں خود جھانک کر دیکھوں۔تو کیا دیکھتا ہوں کہ مکان کے اندر ایک شخص چارپائی بن رہا ہے اور مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دست مبارک میں چراغ پکڑا ہوا ہے اور آپ پاؤں کے بل بیٹھے ہوئے ہیں۔میں یہ دیکھتے ہی کود کر حاضر خدمت ہوا اور چراغ حضور کے دست مبارک سے لے لیا اور عرض کیا کہ حضور میں خود بنواؤں گا۔آپ نے فرمایا کہ نہیں اب ایک دو پھیرے رہتے ہیں بن گئی ہے۔ چنانچہ وہ چارپائی حضور نے مجھے دی اور ہم سب نے آرام سے رات گزاری۔ اس بات کا مجھ پر گہرا اثر ہوا اور ایمان میں ترقی کا موجب بنا۔''

آپؑ سادگی پسند تھے

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کی روایت ہے:

''میں بچپن میں ہی سلسلہ میں داخل ہوا تھا۔ میں سیکنڈ ائیر کلاس لاہور میں پڑھتا تھا۔تو وہاں سے حضرت مفتی صاحب اور مرزا ایوب بیگ صاحب عید کے موقعہ پر قادیان تشریف لائے تو میں بھی ان کے ساتھ قادیان چلا آیا۔ہم دس بجے رات کے بٹالہ پہنچے اور رات ہی رات چل کر قادیان آگئے اور حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے مطب کی ایک کوٹھڑی میں ہم نے قیام کیا اور زمین پر ہی سو رہے اگلے دن عید اور جمعہ دونوں کا اجتماع تھا۔ان دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے۔ چنانچہ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جبکہ چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں سالن ہوتا تھا اور آبخوروں میں پانی پیتے تھے۔

حضور کا دستور تھا کہ جب تک لوگ کھاتے رہتے۔آپ بھی آہستہ آہستہ کھانا تناول فرمانے میں مصروف رہتے۔مگر نہایت کم کھاتے تھے۔اس دن عید کے

روز راجہ شیر محمد صاحب جو میرے دوست اور کلاس فیلو میرے ساتھ تھے۔ہم بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ مجھے آپ کے آنے کا علم نہ تھا۔شیر محمد صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ بتاؤ مسیح موعود کون سے ہیں؟ حضور اس قدر سادگی پسند تھے میں حضور کی اس سادگی کی وجہ سے حضور کو پہچان نہ سکا۔تب راجہ شیر محمد صاحب نے مجھے بتایا کہ وہ ہیں۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب اس عید پر یہاں موجود نہ تھے۔اس لئے یہ عید مولوی محمد احسن صاحب نے پڑھائی۔

(الحکم جلد 38نمبر 19،18صفحہ 3)

ہمارے ہاں تو سادہ کھانے ہوتے ہیں

ایک دفعہ حضور باہر تشریف لائے میاں نجم الدین صاحب مرحوم نے عرض کی کہ حضور عبدالحئی عرب نے اپنا کھانا بورڈنگ میں کرلیا ہے۔حضور نے فرمایا:

جانے دو یہ لوگ کھانے کے بہت دلدادہ ہوتے ہیں۔

اتنے میں عبدالحئی عرب صاحب آ گئے ۔حضور نے فرمایا:

یہاں ہمارے ہاں تو سادہ کھانے ہوتے ہیں۔ یہاں جو آئے وہ اپنا پیٹ کاٹ کر باہر رکھ آئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ کوئی لنگر تھا نہ کتب خانہ حالانکہ یہاں سب کچھ ہے ہمارے ہاں پر تکلف کھانے نہیں پکا کرتے۔

(الحکم 14/جون 1935 صفحہ 5)

لنگر خانہ کی ضروریات کا خیال رکھنا

''ایک دفعہ حضرت صاحب نے میاں مہدی حسین کے سپرد لنگر خانہ کا انتظام کیا اور مجھے فرمایا کہ:۔

میاں مہدی حسین ادھار نہ لینا۔جس چیز کی ضرورت ہو مجھے کہو خواہ آدھی رات ہو۔آ کر مجھے کہو میں دوں گا۔تھوڑا سا گوشت پکا لیا کرو باقی دال۔آپ نے مرچ متوسط رکھنے کے متعلق بہت تاکید فرمائی۔''

(الحکم 14/جون 1935 صفحہ 5)

بشیر اوّل کا عقیقہ

حضرت میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی روایت فرماتے ہیں:

''بشیر اول کا جب عقیقہ ہوا۔تو حضور نے بہت سے دوستوں کو بلایا۔ہم کو بھی جب علم ہوا تو ہم بھی آ گئے۔ چونکہ ہمارے یہاں رشتہ دار تھے اس لئے ہم نے ان کے ہاں کھانا کھایا اور دعوت میں شریک نہ ہوئے۔ کیونکہ یہی ہمارا دستور تھا۔

ہمارے رشتہ داروں کے ہمسایوں میں سے کسی نے کہا کہ یہ آتے تو مرزا صاحب کے پاس ہیں لیکن کھانا ان کے (رشتہ داروں) کے گھر کھاتے ہیں۔ یہ بات ہمارے کانوں تک بھی پہنچ گئی مگر ہم خاموش رہے۔

دوسری دفعہ جب ہم قادیان آئے غالباً دوسرے ہی دن آ گئے تھے اور حضرت اقدس سے ملاقات ہوئی تو حضور نے فرمایا دیکھو تم ہمارے مہمان ہو۔ ہمارے گھر کے سوا کہیں کھانا نہ کھایا کرو۔اس دن سے ہم نے اپنے رشتہ داروں کے ہاں کھانا کھانا چھوڑ دیا۔

حضور کا کرم

ایک روز اتفاقی طور پر میں قادیان آ گیا اور گول کمرے میں حاضر ہو گیا۔کھانا کھانے کی تیاری تھی۔ مجھے علم نہیں تھا۔دستر خوان بچھ گیا۔ چند باہر کے مہمان موجود تھے۔حضور نے مجھے بھی کھانے کے لئے بٹھایا۔اس روز پلاؤ پکا ہوا تھا۔ ایک رکابی زائد تھی۔حضور نے وہ رکابی میرے سامنے رکھ دی۔مہمان دوست میری طرف دیکھنے لگے ایک دیہاتی آدمی کی طرف حضور کا اتنا خیال ہے۔

ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ جب میں حاضر ہوا ان دنوں میاں غلام محی الدین صاحب کھانا کھلاتے تھے۔ وہ وقت کھانے کا تھا۔حضور نے مجھے دیکھ کر فرمایا

کہ کھانا کھاؤ۔ میں نے عذر کیا تو حضور نے پھر فرمایا:۔

نہیں کھاؤ۔ میں بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ کھانے لگا۔ میں چونکہ بعد میں آیا تھا۔ مجھ سے پہلے لوگ فارغ ہو گئے۔ میاں غلام محی الدین نے پہلے احباب کے برتنوں کے ساتھ میرا برتن بھی اٹھالیا۔ حضور نے اس پر میاں غلام محی الدین صاحب پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور سخت جھاڑا کہ تم نے مہمان کے آگے سے کیوں کھانا اٹھایا۔

(الحکم 21/جولائی 1935 صفحہ4)

حضرت اماں جانؓ کا خود کھانا پکا کر بھجوانا

حضرت شیخ احمد صاحب مختارِ عام روایت فرماتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ یہ غلام اور منشی اللہ دتا جو میرا تایا زاد بھائی تھا۔ بٹالہ سے آئے۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ ایک بجے کا وقت تھا۔ بھوک نے تنگ کیا ہوا تھا۔ ابھی ہم قادیان سے دو تین میل دُور تھے۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ مجھ کو بھوک تنگ کر رہی ہے۔ کیا کیا جائے۔ تو اس نے کہا کہ جلد جلد چلو قادیان میں چل کر تم کو کھانا کھلائیں گے۔ میں نے کہا کہ کہاں سے۔ تو اس نے کہا نبی بخش علی بخش عطار کے ہاں سے۔ کیونکہ میرا بھائی حکیم تھا اور ان عطاروں سے اس کا تعلق تھا۔ جب ہم قادیان پہنچ گئے اور بھوک نے بھی تنگ کیا تو میں اس کو سیدھا گول کمرے میں جو انہی دنوں بنا تھا، لے گیا اور دروازے پر دستک دی۔ غالبًا میری نائین اندر سے آئی۔ میں نے کہا کہ اگرچہ رمضان شریف ہے۔ مگر مرزا صاحب کی خدمت میں عرض کرو کہ نور احمد کھارے والہ آیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا بھائی ہے اور وہ کھانا طلب کرتا ہے۔ (اس سال رمضان جون میں آیا تھا) جب خادمہ نے اندر جا کر عرض کی تو حضور نے فرمایا کہ جلدی ان کو کھانا کھلایا جائے۔ بوجہ رمضان شریف کھانا تیار نہ تھا۔ مگر جلدی سے گرم روٹیاں اور بھیلی قند سیاہ کی اور کچھ اچار لے کر آئی اور مجھے کہا کہ اس وقت اور کچھ تیار نہیں تھا اور یہ بھی بیوی صاحبہ نے خود پکا کر بھیجا ہے۔ حضرت ام المومنین کی شادی پر ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔ جب ہم کھانا کھا چکے تو حضور تشریف لائے اور دریافت فرمانے لگے کہ اچھی طرح سیر ہو کر کھانا کھالیا۔''

(الحکم 21/جنوری 1936ء صفحہ 3)

(جاری ہے)

''دس دن کے بعد موج دکھاتا ہوں''

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

براہین احمدیہ چھپ رہی تھی اور روپیہ نہیں تھا۔ چھاپنے والے کا تقاضا تھا۔ تب دعا کی گئی اور یہ الہام ہوا:

''دس دن کے بعد موج دکھاتا ہوں''

ساتھ اس کے یہ بھی الہام ہوا:

''دن ول یو گوٹو امرتسر''

یعنی اس دن تم امرتسر بھی جاؤ گے۔ (1880-82) یہ الہام آریوں کو سنایا گیا۔ خوب کان کھولے گئے۔ چنانچہ دس دن تک ایک پیسہ نہ آیا۔ جب گیارہواں دن ہوا تو ایک سو بیس روپیہ محمد افضل خان صاحب نے بھیج دیئے۔ اسی دن سرکاری سمن آیا اور گواہی کیلئے امرتسر جانا پڑا۔ (دیکھو براہینِ احمدیہ صفحہ 469)

(روحانی خزائن جلد نمبر 18صفحہ 512)

دو خط، دو جذبے

لطف الرحمٰن محمود

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم O

مکرم و محترم جناب الطاف حسین صاحب

قائد ایم کیو ایم،

معرفت ایم کیو ایم انٹرنیشنل سیکریٹریٹ

یُو۔ کے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں یہ چند سطریں، آپ کا شکریہ ادا کرنے کیلئے سپردِ قلم کر رہا ہوں۔ صوبہ سندھ کے دو مختلف مقامات پر، ڈاکٹر عبدالمنان صدیقی صاحب اَور محمد یوسف صاحب کے ظالمانہ قتل پر آپ نے بڑی جرأت سے مُذمّت کی ہے۔ آپ نے بلا تاخیر اس سفّاکانہ ٹارگٹ کلنگ کا نوٹس لیا اور اربابِ اختیار سے ظلم اور تشدّد کی اس روش کے انسداد کی اپیل بھی کی۔ جس زور اور بے باکی سے آپ نے مظلوموں کے حق میں آواز اُٹھائی ہے وہ لازماً قابلِ قدر اخلاقی قوت کا نتیجہ ہے۔

اپریل 2003 میں جب ہماری جماعت کے سربراہ، حضرت مرزا طاہر احمد صاحب لندن میں وفات پا گئے تو مجھے یاد ہے کہ اُس وقت آپ واحد سیاسی راہ نما تھے جنھوں نے اُن کی وفات پر تعزیت فرمائی اور اُن کی یاد میں کلماتِ خیر کہے۔ پاکستان کے کسی اور لیڈر کو اس کی توفیق نہیں ملی۔

ہم پاکستان کی ایک مظلوم جماعت ہیں مگر ہمارے امام کی طرف سے ہمیں ہمیشہ یہی نصیحت کی جاتی رہی ہے کہ ہم نے ہر حال میں صبر کا مُظاہرہ کرنا ہے، خواہ کچھ ہو جائے قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لینا۔ عدم تشدّد کی اس پالیسی سے وابستگی کی وجہ سے ہم پر ہر طرح کا تشدّد اور ظلم روا رکھا جاتا ہے۔ اور اسے ہماری ''کمزوری'' سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہی ''ضبطِ نفس'' ہماری طاقت ہے۔

پاکستان میں ہندوؤں، سکّھوں، مسیحیوں اور پارسیوں کے ووٹ، ووٹر لسٹوں میں موجود ہیں مگر ہم اس وجہ سے محروم ہیں کہ ہم نے اپنے ''کُفر'' کا ابھی تک اقرار نہیں کیا۔ ہمیں یہی کہا جاتا ہے کہ اگر ہم ''اسلام'' کا انکار کر دیں تو ہمارا نام بھی ووٹر لسٹ میں ڈال دیا جائے گا۔ ہم ایسے ووٹ پر تُھو کتے ہیں جس میں اپنے ضمیر کا خون کر کے، دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنا پڑے! ہم سب حقوق و مراعات اور اموال و املاک چھوڑ سکتے ہیں، اسلام اور قرآن نہیں

چھوڑ سکتے۔

کئی سال قبل، پنجاب کی مسلم لیگ (ن) حکومت نے، علماء کو خوش کرنے کیلئے جماعت احمدیہ کے مرکز ''ربوہ'' کا نام، جبراً تبدیل کر کے ''چناب نگر'' رکھ دیا۔ اس شہر میں، جو 1949 میں لق ودق صحرا تھا، اب ہزاروں احمدی خاندان آباد ہیں۔ اور میونسپل کمیٹی کو لاکھوں روپے ٹیکس میں ادا کرتے ہیں۔ مگر ٹاؤن کمیٹی میں اُن کا ایک بھی ممبر نہیں کیونکہ وہ ''کفّار'' ہیں۔ اُن کا ووٹ ہی نہیں اور نہ ہی وہ انتخابات میں حصہ لے سکتے ہیں۔ سالہا سال سے ایسا ہو رہا ہے۔ احمدی اکثریت کے اس شہر میں، کسی شہری کو معلوم نہیں کہ اُن کے ٹیکس کی رقم کیسے خرچ کی جاتی ہے۔ اکثر اوقات سڑکوں اور گلیوں کی مُرمّت، نیز شجرکاری اور شہر کی تزئین و آرائش اور دیگر رفاہی کام جماعت کرتی ہے۔ حقوق کا یہ اتلاف، شاید ہی مُہذّب دُنیا کے کسی اور شہر میں ہوتا ہو!

ہمیں اس شہر میں، جلسہ سالانہ منعقد کرنے کی اجازت نہیں۔ 1984 میں یہ پابندی عاید ہوئی۔ ہر سال درخواست پر انکار کر دیا جاتا ہے۔ مگر ہمارے مخالف علماء کو ہر قسم کی سہولت حاصل ہے۔ وہ جلوس نکالتے ہیں، جلسے کرتے ہیں اور گالیوں کی بوچھاڑ کرتے ہیں اور ہم صبر سے سنتے ہیں ؎

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

ملک کا پریس بھی علماء سے ڈرتا ہے۔ حتّٰی کہ فروری 2008 کے انتخابات کے قریب، جماعت احمدیہ کو، ایک ضروری وضاحت کیلئے، اخبارات میں ایک Paid اشتہار دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ غالباً روزنامہ Dawn نے وہ اشتہار چھاپنے کی جرأت کی۔ معلوم نہیں ہو سکا کہ اُس کی کیا دُرگت بنی۔ کیا اسی کا نام ''آزادیٔ صحافت'' ہے؟ ہمارے خلاف ہر قسم کی بے بنیاد خبریں اور غلط افواہیں ''کارِ ثواب'' سمجھ کر پرنٹ میڈیا میں چھاپی جاتی ہیں مگر اُن کی تردید۔ جواب یا جواب الجواب کے طور پر ایک سطر بھی نہیں چھاپی جاتی۔ یہ میڈیا کی غیر جانب داری کا حال ہے۔ جماعت احمدیہ کو اخبار اور جرائد چھاپنے کی اجازت ہے مگر اُسے ہر اخبار اور رسالہ باقاعدگی سے سنسر کرانا پڑتا ہے!

بُھٹّو صاحب کی حکومت نے مذہبی جماعتوں، تنظیموں اور مشنوں کے تعلیمی اداروں کو قومیا لیا تھا۔ بہت بعد میں حکومت نے ان اداروں کو واپس کرنے کی پالیسی اپنائی۔ ہماری جماعت نے بھی، ضمانت کے طور پر ایک کروڑ روپے جمع کروائے۔ مگر ہمیں وہ سکول اور کالجز آج تک واگزار نہیں کئے گئے۔

دوسرے مشنوں اور پروپرائٹرز کو اُن کے تعلیمی ادارے واپس کئے جا چکے ہیں۔ مجبوراً جماعت کو نئے تعلیمی ادارے جاری کرنے پڑے۔ مگر کیا مجال ہے کہ ہم نے دامنِ صبر کو ہاتھ سے جانے دیا ہو۔ ہم اپنی روایات کے مطابق، ملک کے وسیع تر امن کیلئے، ہر ظُلم کو صبر وثبات سے برداشت کرتے رہیں گے۔ چند ماہ قبل، ہماری جماعت نے خلافت کی صدسالہ تقریبِ تشکُّر کا انعقاد کیا۔ چناب نگر (ربوہ) میں بھی اس موقع پر خوشی کا اظہار کیا گیا۔ اس ''گستاخی'' پر شہر کی تمام احمدی آبادی کے خلاف .F.I.R کاٹ دی گئی!! کیا واقعی پاکستان بھی اکیسویں صدی کا حصہ ہے؟ ہمارے سب مقدمے آسمانی عدالت میں دائر ہیں۔ عاجزانہ دُعا کے ساتھ دادرَسی کی اُمید رکھتے ہیں۔ اُس کی عالی بارگاہ میں دیر تو ہے اندھیر نہیں!!

ایک لمبے عرصے کے بعد، ایک شریف النفس انسان نے، غیر معمولی جرأت کا اظہار کرتے ہوئے، معاشرے کی اصلاح اور جمہوری اقدار کی تقویت کیلئے، ظلم کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ میں اس جرأتِ رندانہ کے اظہار پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کی صحت و عافیت اور درازیٔ عمر کیلئے دعا گو ہوں۔ میں

آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ خبر سُن کر ہزاروں مظلوموں اور بے نواؤں کے دُکھی دلوں سے آپ کیلئے دُعا نکلی ہے۔!

والسلام

خاکسار

لطف الرحمٰن محمود

(2)

جناب ڈاکٹر عامر لیاقت حسین صاحب

معرفت جیو چینل،

روزنامہ جنگ کراچی

سلام مسنون!

اس عاجز نے کچھ عرصہ قبل ایک خط آپ کو لکھا تھا جسے ''رجسٹرڈ میل'' سے بھجوایا گیا۔ وہ بھی Geo پر نشر ہونے والے ایک پروگرام کے حوالے سے تھا جس میں ''قتلِ مُرتد'' پر گفتگو کی گئی تھی۔ اُس پروگرام میں مُفتی مُنیب الرحمٰن صاحب نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ آپ کے نام خط کی نقل، مفتی صاحب کی خدمت میں ارسال کی اور مُفتی صاحب کے نام کسی قدر مفصل عریضے کی نقل آپ کو بھجوائی تھی۔ اُس وقت آپ وفاقی کابینہ میں وزیرِ مملکت کے منصب پر فائز تھے۔ کچھ عرصہ بعد آپ اس عہدے سے الگ ہو گئے۔ اُس کے بعد آپ نے پرانا چولہ اُتار کر نیا لبادہ زیبِ تن کر لیا۔ آہستہ آہستہ آپ کی شخصیت کے اصل خدوخال نمایاں ہو کر سامنے آتے گئے۔ میں اس وقت، آپ کے اُس دَور کے بعض ارشادات اور موجودہ خیالات و نظریات کا موازنہ نہیں کرنا چاہتا۔ اس کام کو کسی اور وقت پر اُٹھا رکھتا ہوں۔

کافی عرصہ سے مُجھے آپ کی نشریات سے، وہ پہلی والی دلچسپی باقی نہیں رہی۔ آپ کی ایک تحریر (''لاؤڈ سپیکر'') میری نظر سے گزری ہے۔ میں اس وقت اُس پر تبصرہ کی اجازت چاہتا ہوں۔ میں اس تبصرہ کو ایک مقامی جریدہ میں شائع کروانے کی کوشش کروں گا۔ عاجز نے آپ کے اور قبلہ مفتی صاحب کے نام وہ خطوط بھی شائع کروائے تھے۔

اس دلآزار تحریر میں آپ نے، سیاسی اختلاف کی بناء پر یا ذاتی بُغض وحسد کی وجہ سے، ایم کیو ایم کے قائد، جناب الطاف حسین کو جی بھر کر کوسا ہے اور جماعت احمدیہ مسلمہ کے بارے میں وہی گھسے پٹے اعتراض دُہرائے ہیں جو ایک صدی سے پیش کئے جا رہے ہیں۔ علمی اور تحقیقی رنگ میں ان تمام بودے اعتراضات کے مُسکت جوابات دیئے جا چکے ہیں۔ اس وقت احمدیہ لٹریچر سے ان نکات کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ آپ کے مضمون (''لاؤڈ سپیکر'') میں دئے گئے درج ذیل ریمارکس پر تبصرہ کرنے کی اجازت چاہوں گا:

''جنہیں پاکستان کا آئین غیر مُسلم قرار دے اُنہیں اسلام کا ایک فرقہ کیسے کہوں؟''

''جن کے کُفر پر اُمّتِ مُسلمہ کا اجماع ہو، اُن کی مدح سرائی کیلئے اجتماع کیسے منعقد کروں؟''

''جو یہودیوں کی گود میں بیٹھ کر عقیدۂ ختم نبوت کے سینے کو گود رہے ہوں۔۔۔ کم از کم اسلام کے ''ان ناجائزوں کو اپنا نام دینے کیلئے تیار نہیں۔''

آئین میں غیر مسلم قرار دینے کا فتویٰ

دنیا کی ہر خودمختار اور ذمّہ دار مملکت کا آئین موجود ہے۔ آئین کا بنیادی مقصد، مملکت کو ملک کے نظم ونسق کو چلانے اور امورِ مملکت کو عدل وانصاف سے سر انجام دینے کیلئے لائحہ عمل مُہیّا کرنا ہوتا ہے۔ آئین کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ شہریوں کے کُفر و ایمان کا فیصلہ کرتا پھرے۔ دُنیا کے اکثر ممالک میں مذہب کو امورِ ریاست سے الگ رکھا گیا ہے۔ یہی حضرت قائداعظمؒ کی قانون ساز اسمبلی کو ہدایت تھی۔ پاکستان 1947 میں قائم ہوا مگر آپ نے جس آئین کا حوالہ دیا ہے۔ وہ 25 سال بعد، 1972 میں نافذ کیا گیا اور اس میں 2 سال بعد، 1974 میں، بعض اندرونی اور بیرونی عناصر کے دباؤ پر، ایک ترمیم کے ذریعے جماعت احمدیہ کے ارکان کو ''غیر مسلم'' قرار دیا گیا (قانونی مقاصد کیلئے For Purpose of Law)۔ بھٹو صاحب نے اس ''90 سالہ مسئلہ'' کے حل کا کریڈٹ لینے کی بھرپور کوشش کی۔ وہ چاہتے تھے کہ اس ترمیم کے بل بوتے پر اپنے اقتدار کو دوام دیں مگر اُن کا دائمی اقتدار کا خواب جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کی نذر ہو گیا۔ بعد ازاں اُنہیں تختہء دار پر جُھولنا پڑا۔ اس ترمیم کو پاس کرنے والی قومی اسمبلی کے ارکان کی دینی اَور اخلاقی حالت کے بارے میں جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے ایک قرطاسِ ابیض شائع کیا۔ آپ اس ''قرطاسِ ابیض'' کا ضرور مطالعہ کریں۔ آپ کو علم ہو جائے گا کہ کس قسم کے ''ارکانِ پارلیمنٹ'' کو شہریوں کے کُفر و ایمان کا فیصلہ کرنے کیلئے جمع کیا گیا

کیا سنگسار نااہلوں نے مُجھ کو
ہے کافی یہ ثبوتِ بے گُناہی

آئینِ پاکستان کی جس ترمیم پر آپ کو اتنا ناز ہے وہ حضرت نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے مُتحارب اور مُتصادم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں علیٰ وجہ البصیرت سمجھتا ہوں کہ اس ترمیم کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ آئین کا تقدُّس مجروح ہوا ہے بلکہ توہینِ رسالتؐ کی اس نحوست کی وجہ سے یہ بے برکت ہو گیا ہے۔ جب تک اس ترمیم کو آئین سے نہیں نکالا جاتا، یہ بے برکتی برقرار رہے گی! حضرت نبی کریم ﷺ نے ''مسلمان'' کی 2 اہم تعریفیں (Definitions) کی ہیں۔ اُن میں سے ایک کو ہم مسلمان کی ''سیاسی تعریف'' قرار دے سکتے ہیں اور دوسری کو مسلمان کی ''مذہبی تعریف''۔

مسلمان کی سیاسی تعریف

اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی مملکت کے کس شہری کو مسلمان قرار دیا جائے گا۔ ہجرتِ مدینہ کے کچھ عرصہ بعد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو مدینہ کی مسلم آبادی کی مردم شماری کا حکم دیا۔ صحابی نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ وہ اس فہرست میں نام درج کرتے وقت کس معیار کو پیشِ نظر رکھے؟ حضورؐ نے فرمایا:

''جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اُسے اس فہرست میں لکھ لو۔''

چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ بالفاظِ دیگر حضورؐ کا ارشاد تھا کہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اُسے ''لَسْتَ مُؤْمِنًا'' نہ کہو۔ جن منافقین مدینہ کے نفاق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آیات نازل فرمائیں، اُن کے لیڈر، عبداللہ بن اُبیّ کے کفن کیلئے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متبرک قمیص عطا فرمائی اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی!

مسلمان کی مذہبی تعریف

حضورؐ کا ارشاد ہے: (ترجمہ)

''جو مسلمان کی طرح نماز پڑھتا ہے' اور اہلِ اسلام کے قبلہ کو قبول کرتا ہے اور مسلمان کا کیا ہوا ذبیحہ کھالیتا ہے' وہ مسلمان ہے۔ اللہ اور اس کا رسولؐ اس کا ضامن ہے۔''

کتنی سادہ اور واضح تعریف ہے لیکن آئین پاکستان کی ترمیم کے مؤیّد علماء نے اپنی ضدّ اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی مندرجہ بالا دونوں تعریفوں کو نظر انداز کر دیا۔ 1954 میں یہی علماء فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت کے سامنے ''مسلمان'' کی کوئی تعریف پیش نہ کر سکے۔ بیس سال کے بعد' آخر کار اُن پر ایک '' تعریف'' کا انکشاف ہوا۔ جس کی رُو سے، مسلمانوں کی طرح نماز ادا کرنے والے' اہلِ قبلہ' اور اہلِ ایمان کا ذبیحہ قبول کرنے والے کلمہ گو، افرادِ جماعت احمدیہ کو قلم کی ایک جُنبش سے دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا گیا ع

ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

بھٹو صاحب بنیادی طور پر ایک سیاسی آدمی تھے۔ وہ اس آئینی ترمیم کے سیاسی فائدے سے مطمئن تھے۔ اس ترمیم کے ذریعے اُنہوں نے اندرونی اور بیرونی عناصر کو خوش کرنے کی کوشش کی۔ مگر اُنہوں نے احمدیوں کی مذہبی آزادی سلب نہیں کی۔ وہ 1974 کے بعد بھی اپنی عبادت گاہوں کو مساجد کہتے رہے۔ نمازوں کیلئے اذانیں دیتے رہے۔ قرآن مجید چھاپتے اور تقسیم کرتے رہے۔ اس طرح مُسلم ثقافت کے دیگر مظاہر کو اپنانے میں بھی وہ آزاد رہے' مگر اپریل 1984 میں جنرل ضیاء الحق نے ایک آرڈی نینس کے ذریعے یہ آزادی سلب کر لی۔ لوگوں کو'' سکھا شاہی'' کا زمانہ یاد آ گیا۔ احمدیوں کیلئے اذان دینا ممنوع قرار دیا گیا۔ اُن کی مساجد کی پیشانیوں سے کلمہ طیبہ کے مبارک حروف مٹا دیئے گئے۔ اگر کسی احمدی نے سینے پر کلمہ طیبہ کا بیج سجایا تو اُسے جیل بھیج دیا گیا۔ ایسے لوگوں سے جیلیں بھر گئیں۔ حتّٰی کہ دوسرے قیدیوں نے ان اسیروں کو'' کلمہ والے'' کہنا شروع کر دیا۔ اپنے کام کی جگہ پر نماز پڑھنے والے احمدیوں کو قید اور جرمانوں کی سزائیں دی گئیں۔ شادی کے دعوت نامے پر'' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھنے پر جیل میں ڈال دیا گیا۔ اسلام کا ایسا'' نفاذ'' دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں دیکھا گیا۔ دُنیا کے کسی گھٹیا سے گھٹیا ملک میں بھی تدفین کے بعد مُردوں اور اُن کے لواحقین کو مزید اذیّت نہیں دی جاتی۔ مگر مملکتِ خداداد پاکستان کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ بارہا احمدی مُردوں کی نعشوں کو قبروں سے نکال کر' پولیس اور سِول حکّام کی موجودگی میں' دوسری جگہ دفن کیا گیا۔ اس کی وجہ؟ احمدی مُردوں کو قبروں میں اتنا سخت عذاب دیا جاتا ہے کہ کئی میل تک آگ کے شعلے جاتے ہیں۔ ایسی قبروں سے دوسرے مسلمانوں کی قبروں کو محفوظ رکھنا قومی فریضہ ہے!!

ہم نے ہر حال میں دامنِ صبر ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور ہر معاملہ خدا کے سپرد کیا جس کے ہاں دیر تو ہے اندھیر نہیں!

میں واضح الفاظ میں عرض کرنا چاہتا ہوں اس میں پاکستان کی مُقدّس سرزمین کا کوئی قصور نہیں اور نہ ہی ان مظالم کی ذمہ داری اس پاک وطن پر ڈالی جا سکتی ہے۔ البتّہ اس زمین پر بسنے والے بعض لوگ ان جرائم میں مُلوّث ہیں۔ ہمیں وطن سے کوئی شکوہ نہیں۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی ماں کے ایک بیٹے کو' دوسرے بھائی اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہیں مگر بھائیوں کے مظالم کی وجہ سے وہ مظلوم بیٹا اپنی ماں سے ناراض نہیں ہو سکتا۔ ان تمام زیادتیوں کے باوجود'

مادرِ وطن سے ہماری محبت متاثر نہیں ہوئی۔کم نہیں ہوئی، البتہ ''برادرانِ یوسف'' سے اس ظلم کی توقع نہ تھی!
تحریکِ پاکستان میں ہماری جماعت' روزِ اوّل سے حضرت قائداعظمؒ کی ہمزبان اور ہمرکاب رہی اور جن مولویوں کے کہنے پر جماعت احمدیہ کے افراد کو دائرہٴ اسلام سے خارج کیا گیا، وہ اور اُن کے بزرگ پاکستان کو ''پلیدستان'' اور قائداعظم کو ''کافرِ اعظم'' کہتے رہے۔آج اُنہیں پاکستان کے ''محافظ'' ہونے کا دعویٰ ہے ع

منزل اُنہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

پاکستان میں بدامنی' صوبائی' لسانی اور علاقائی تعصّب اور نفرت' فرقہ واریت' دہشت گردی' خود کُش حملوں کا کلچر' دیگر مسائل اور روز افزوں مصائب پر ہم سب افسردہ ہیں اور اللہ تعالیٰ سے حالات کی بہتری کے لئے دعا گو ہیں کیونکہ ان حالات میں' مصائب اور مشکلات کا شکار بیچارے عوام بنتے ہیں' جو زیادہ تر بےقصور ہوتے ہیں۔سزا کے مستحق صرف آئمۃ التکفیر اور اُن کے مفید ایجنٹ ہیں۔کبھی کبھار اللہ تعالیٰ کی قہری تجلّی کی بجلی' عبرتِ عامہ کیلئے' اُن پر گرتی رہتی ہے! آئندہ بھی گرے گی!!
اگر کوئی غیر جانب دار دانش ور' حالات میں بگاڑ کی تاریخ مُرتّب کرے تو وہ یہ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ جائے گا کہ اس نحوست کا آغاز، آئین میں اس ظالمانہ ترمیم کے جلد بعد شروع ہو گیا اور اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔میں مُکرّر عرض کرتا ہوں کہ جب تک آئین میں ظلم اور جبر کی اس علامت کو ختم نہیں کیا جاتا' یہ بے برکتی مسلّط رہے گی بلکہ اس میں مسلسل اضافہ جاری رہے گا۔اگر آپ میں ہمت ہے تو اس تقدیرِ مُبرم کو بدل دیجئے!
میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ستمبر 1974 میں میں جس طرح کا ''مسلمان'' تھا' آئین میں اس ترمیم کے بعد بھی' اُسی طرح کا ''مسلمان'' ہوں۔مجھے اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں ذرّہ برابر شُبہ نہیں۔مجھے اپنے اسلام کیلئے کسی اسمبلی سے تصدیق کی ضرورت نہیں۔نہ ہی دو رکعت کے کسی امام کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ وہ مجھے مسلمان ہونے کی سند جاری کرے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے میرا نام ''مسلمان'' تجویز فرما دیا ہے۔ **هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ** (الحج: 79)
یہ قرآنی سند میرے لئے کافی ہے۔سیّد المرسلین خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی تعریف (Definition) کے علاوہ مجھے کسی اور آئینی دستاویز کی ضرورت نہیں۔اگر آپ کو کبھی فرصت ملے تو مختلف فرقہ ہائے اسلام کے علماء کے ایک دوسرے کے خلاف تکفیر کے فتووں کو جمع کر کے ایک گوشوارہ بنائیے اور پھر تلاش کیجئے کہ اُمّہ میں کون باقی رہ گیا ہے جسے مسلمان شمار کیا جا سکے۔بعض فتووں کی زبان اتنی غلیظ ہے کہ کوئی شریف انسان اُنہیں پڑھ بھی نہیں سکتا۔ بقول اقبال ع

یہ مُسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

جن کے کفر پر اُمّتِ مسلمہ کا اجماع ہو' اُن کی مدح سرائی کیلئے اجتماع کیسے منعقد کروں؟

آپ کس ''اجماع'' کا ذکر کر رہے ہیں؟ کون سی اُمّت؟ فتووں کی شکل میں پائے جانے والے اس عظیم ''علمی ورثے'' کو یکجا کیا جائے تو آپ پر حقیقت منکشف ہو جائے گی۔اہلِ تشیّع کے 32 اور اہل السُنّہ کے 40 فرقوں کے ''فتاویٰ'' کو یکجا کیجئے۔ان سب کے اپنے کُفر و ایمان پر سوالیہ نشان معلّق ہے۔ ان کے اجماع کی کیا حیثیت ہے؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کے 73 فرقوں میں بٹ جانے کی خبر دی ہے (تفصیل کیلئے ملاحظہ

فرمائیے۔ ترمذی، ابواب الایمان' باب افتراق ھٰذِہِ الْاُمَّۃ)
حدیث لٹریچر میں مزید وضاحت ملتی ہے کہ ان فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ''ناجی'' ہوگا باقی 72 ''ناری'' کہلانے کے مستحق ہوں گے یعنی اُن سے اہلِ جہنّم کے کام سرزد ہوں گے۔ اس وعید کے پیشِ نظر ہر فرقہ خود کو''ناجی'' اور دوسروں کو''ناری'' قرار دیتا رہا ہے۔ مگر آخر کار اس سیناریو کا بھی فیصلہ ہوگیا۔ اور ایک فرقے کے خلاف 72 فرقے متحد ہوگئے۔ ایک فرقہ ایک طرف اور 72 اُس کی مخالفت میں دوسری طرف متحد و یکجا ہوگئے۔ میں اس مرحلے پر اس اجماع کی تاریخ اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ سب سے پہلے آزاد کشمیر کی اسمبلی میں اس''اجماع'' کی بنیاد رکھی گئی۔ پھر اسے مکّہ معظّمہ لے جایا گیا اور وہاں عرب علماء کو گمراہ کیا گیا۔ چنانچہ ورلڈ مسلم لیگ/مؤتمر عالمِ اسلامی نے اس لائن کو''ٹو'' کیا۔ اس طرح مختلف ممالک سے آنے والوں کو ایک فرقے جماعت احمدیہ کے خلاف متحد کر دیا اور اس طرح ایک کے خلاف 72 کے یکجا ہونے کا نظارہ دُنیا نے دیکھ لیا۔ یہ ہے اس اجماع کی حقیقت جس پر آپ فخر و مباہات کا اظہار فرما رہے ہیں۔ یہ ایک روح فرسا تاریخی حقیقت کا اعلان ہے۔ جس طرح 1400 سال قبل''الندوہ'' میں کیا جانے والا ایک فیصلہ، مُذمّت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ ایک وقت آئے گا جب اس''اجماع'' کو اسی طرح یاد کیا جائے گا!

1974 میں ہماری قومی اسمبلی نے جو فیصلہ کیا وہ ورلڈ مسلم لیگ/موتمر عالم اسلامی کے متذکرہ بالا فیصلے کی صدائے بازگشت تھی۔ اس کے ساتھ لمبی چوڑی مالی ''فتوحات'' بھی ہوئیں۔ آنے والے مؤرّخین بے برکت''دفینوں'' کو کھودیں گے! ہم اب بھی اپنے غلطی خوردہ بھائیوں کی ہدایت' اور فلاح و فوز کیلئے دعا گو ہیں۔ خُدا کرے بے بنیاد غلط فہمیوں کا گرد و غبار چھٹ جائے اور ہر سعید کو حق و باطل میں تمیز کی توفیق عطا ہو۔ ہم بانی جماعت احمدیہ کی زبان میں یہی کہیں گے

اے دل تو نیز' خاطرِ ایناں' نگاہ دار
کاخر کُنند' دعویٰ حُبِّ پیمبرمؐ

''یہودیوں کی گود میں بیٹھ کر عقیدۂ ختم نبوت کے سینے کو گود رہے ہیں۔۔۔ کم از کم اسلام کے ان ناجائزوں کو اپنا نام دینے کیلئے تیار نہیں۔''

اس الزام کے جواب میں' یہی عرض کروں گا ''لعنۃ اللہ علی الکاذبین''، آمین۔ جسے آج اسرائیل کہتے ہیں وہ سارا علاقہ' 14 مئی 1948 سے قبل ''فلسطین'' کہلاتا تھا۔ اسرائیل کے قائم ہونے سے بیس پچیس سال قبل' جماعتِ احمدیہ کے مبلّغین و مبشّرین وہاں بھی تبلیغ کیلئے پہنچے۔ قیام اسرائیل سے بہت پہلے سے کبابیر کے مقام پر ہماری مسجد' سکول اور مرکز تبلیغ کے دفاتر قائم ہیں۔ اُس وقت سے فلسطینی احمدی وہاں رہ رہے ہیں اور اسرائیل کے قیام کے بعد' بھی بہت سے دوسرے فلسطینیوں کی طرح اُنہوں نے بھی وہاں رہنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت دنیا کے تقریباً 200 ممالک میں جماعتِ احمدیہ کی شاخیں قائم ہیں اور ان ممالک میں احمدی مبلغین آتے جاتے رہتے ہیں۔ آج تک اسرائیل میں کوئی شخص پاکستانی پاسپورٹ پر وہاں نہیں گیا۔ چونکہ ہم ایک بین الاقوامی جماعت ہیں۔ اس لئے دوسری قومیتوں سے تعلق رکھنے والے مبلّغین اپنے بھائیوں کی مذہبی اور تربیتی ضروریات کی تکمیل کیلئے وہاں جاتے رہے ہیں۔ یہ کوئی جرم نہیں۔ جب مصر' اُردن' ترکی' مراکش وغیرہ ممالک کے سفارت کار وہاں آجا سکتے اور وہاں رہ سکتے ہیں تو مبلّغ تبلیغ کے لئے کیوں نہیں جاسکتا؟ کیا یہود کو تبلیغ کرنا سُنّتِ نبویؐ نہیں؟ کیا قرآن مجید میں' بیسیوں ایسی آیات موجود نہیں جن میں یہود کو دعوتِ ایمان دی گئی ہے؟

اطلاعاً عرض ہے کہ ہماری جماعت کے انٹرنیشنل ٹی وی (MTA) کی ایک شاخ کبابیر میں بھی موجود ہے' اس کے پروگرام میں قرآن و حدیث کے علوم و

معارف‘ کے ساتھ ساتھ‘ نبیوں کے سردار‘ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پر مشتمل قصائد بھی نشر کئے جاتے ہیں۔ اسے آپ ’’اسرائیل کی گود میں بیٹھ کر عقیدۂ ختمِ نبوت کے سینے کو گودنا‘‘ کہتے ہیں۔ میلاد النبیؐ کے مبارک دن‘ نشتر پارک میں‘ درود پڑھنے والوں کو بموں سے اُڑانا‘ ختمِ نبوت کے سینے کو گودنے کے مترادف ہے۔ اس گھناؤنے جرم کے مرتکب کون لوگ تھے؟ لگایئے جلدی سے الزام ’’ہنود اور یہود‘‘ پر۔ جہادی جماعتوں کے خریدے ہوئے صحافی اور اینکر‘ اس گردان کے علاوہ اور جانتے بھی کیا ہیں؟

دوسروں کو ’’ناجائز‘‘ اور ’’حرام زادہ‘‘ کہنا آپ کا تکیہء کلام ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپ کو ولادت کے بعد کیا چیز چٹائی گئی تھی‘ جس کا اثر اب تک آپ کے کام و دہن میں باقی ہے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ اس کی تاثیر آپ کی فطرتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ ڈنمارک کے بارے میں آپ کی ایک تحقیق (مطبوعہ مضمون کی شکل میں‘ جس کا تراشہ میری فائل میں موجود ہے) میرے سامنے ہے جس میں آپ نے اُس ملک کی 60 فیصد آبادی کو ’’ناجائز‘‘ یعنی ’’حرام زادہ‘‘ قرار دیا ہے۔ جہاں تک اسلامی اخلاق کا تعلق ہے یہ کسی محتاط صاحب ایمان کی زبان نہیں ہوسکتی۔ بلکہ یہ اُن بدبخت یہودیوں کا اندازِ گفتگو تھا جنہوں نے حضرت مسیح ابن مریمؑ اور سیّدہ مریم صدیقہؑ کی شان میں بے ادبی کی جسارت کی۔ کبھی آپ کو فرصت ملے تو یہ تحقیق بھی فرمائیں کہ ڈنمارک اور سکینڈے نیوین ممالک میں مقیم مسلمان‘ ’’ملٹی کلچرازم‘‘ کے فروغ و استحکام کے نام پر ’’ناجائزوں‘‘ کے ٹیکس سے کتنی رقوم وصول کر کے اپنی مساجد اور دینی مدرسوں کا نظم و نسق چلاتے ہیں۔ ’’ناجائزوں‘‘ کا مال کیسے ’’جائز‘‘ قرار پایا؟ ویسے بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ ڈنمارک جیسے ’’ناپاک‘‘ ملک میں مسلمانوں کی یہ پاک اور مطہر نسل کیا کرنے گئی ہے؟ دُعا کیجیئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ’’ناجائزوں‘‘ کے ٹیکس کے ’’حرام مال‘‘ سے حصہ وصول کرنے والوں پر ع

ہر چیز کہ درکانِ نمک رفت نمک شُد

والا معاملہ نہ ہوجائے؟

آپ کو خیر سے علم قرآن کا دعویٰ بھی ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ مطہرہ کی اطاعت کرنے کا ڈھنڈورہ بھی پیٹتے رہتے ہیں۔ بھلے دوسروں کو ’’ناجائز‘‘ کہنا آپ کا تکیہء کلام ہی سہی، مگر یہ بھی ’’قذف‘‘ کی ایک شکل ہی ہے۔ قذف کے بارے میں قرآن کریم کی آیات پر غور فرمایئے۔ اس حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے آگہی حاصل کیجئے۔ اس کے بعد شوق سے دوسروں کو ’’ناجائز‘‘ اور ’’حرام زادہ‘‘ کہنے کی جگالی کرتے رہیئے!! مجھے ڈر ہے کہ کہیں مرگِ ناگہانی کے وقت‘ یہی مرغوب الفاظ آپ کی زبان پر نہ ہوں!!

اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہ صادق اور کاذب نیز مصلح و مُفسد کو خوب پہچانتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

’’اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کے اندر دیکھتا ہے‘‘۔

کسی مکّار کی چالاکی، کسی شاطر کی شوخی، کسی عیّار کی پُھرتی، کسی بدگو کی بدزبانی اور کسی ایکٹر کی اداکاری عوام کو تو دھوکہ دے سکتی ہے۔ خدائے علیم و خبیر کو نہیں! ایک مرتبہ پھر‘ بڑے عجز و انکسار سے‘ خدائے قہار و جبّار سے اس معاملے میں فیصلہ نافذ کرنے کی استدعا کرتا ہوں۔ **لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الۡکَاذِبِیۡن**، آمین۔

والسلام

خاکسار

لطف الرحمٰن محمود

حضرت امیر بی بی صاحبہؓ عرف مائی کاکو

امتہ المنان قمر، نیوجرسی

بزرگوں کے ذکرِ خیر کو زندہ رکھنے کے ارشاد کے تحت آج میں اپنی امی سارہ بیگم صاحبہ کی پھوپھی کے حالات قلمبند کرنے کی کوشش کروں گی۔قبل اس کے کہ اُن کے حالات لکھوں ان کا تعارف کراتی ہوں۔تاریخ احمدیت جلد نمبر 2 میں صفحہ 464 کے بعد جو گروپ فوٹو دی گئی ہیں ان میں ایک تصویر'' خاندان سیکھواں برادران'' کی بھی ہے۔اس تصویر کے نیچے دوسری لائن میں'' امیر بی بی صاحبہ عرف مائی کاکو صاحبہ صحابیہ (313)'' لکھا ہوا ہے۔انہی صاحبہ کا ذکر خیر کر رہی ہوں۔ان کے تینوں بھائیوں کا نام، سیکھوانی برادران کی سرخی کے تحت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متعدد کتب میں آتا ہے۔یہ تینوں بزرگ قدیم ترین صحابی اور سگے بھائی تھے۔حضرت اقدسؑ کے ساتھ انہیں فدائیانہ تعلق تھا اور انکے خاندان کے دعویٰ ماموریت سے بھی پہلے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ذاتی روابط تھے اور دلی عقیدت کا شرف حاصل تھا۔

ضمیمہ انجام آتھم میں جن 313 اصحاب کے نام درج ہیں اس میں ان تینوں بھائیوں کے نام مندرجہ ذیل نمبر شمار کے تحت لکھے ہوئے ہیں:

نمبر شمار (30) میاں جمال الدین سیکھواں گورداسپور معہ اہلِ بیت (یہ میرے نانا کا نام ہے)

میاں خیر الدین سیکھواں گورداسپور معہ اہلِ بیت (پہلے صدر خدام الاحمدیہ'

نمبر شمار (31) مولوی قمر الدین صاحب کے والدِ بزرگوار)

میاں امام الدین سیکھواں گورداسپور معہ اہلِ بیت (مولانا جلال الدین

نمبر شمار (32) صاحب شمس خالد احمدیت کے والدِ محترم)

کتاب' سیرۃ وسوانح حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ تصنیف وتالیف پروفیسر سیدہ نسیم سعید صاحبہ' کے صفحہ 52 کے آخر میں درج ہے۔

عرفانی صاحب (الحکم کے ایڈیٹر اور دیرینہ صحافی) لکھتے ہیں' اُن پرانی مستورات میں سے جنہوں نے حضرت اماں جانؓ کو دُلہن بنے ہوئے دیکھا اب کوئی موجود نہیں البتہ مولوی جلال الدین صاحب شمس کی پھوپھی جو مائی کاکو صاحبہ کے نام سے مشہور ہیں اور جو حضرت اماں جانؓ کی خادمہ ہیں اور ایک عشق سے خدمت کرتی ہیں' نے مجھے سنایا کہ جب حضرت اماں جانؓ نئی نئی بیاہی ہوئی آئیں یعنی 1884 کے نومبر یا دسمبر کے ابتدائی دنوں میں تو میں بھی قادیان آئی

ہوئی تھی۔تو میں نے سنا مرزا صاحب ''ووہٹی'' بیاہ کرلائے ہیں۔اس لئے میں دیکھنے چلی گئی۔وہ کہتی ہیں:

''حضرت اماں جانؓ 18-19 سال کی لڑکی تھیں بالکل پتلی دُبلی اور نحیف سی تھیں۔سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے پنجاب کے رواج کے بالکل خلاف رنگین یا سرخ جوڑا نہ تھا۔اس وقت کھلے پائینچے کا غرارہ پہنے ہوئے تھیں۔مجھے دیکھ کر کمرے سے باہر آ گئیں اور مجھے جب ایک دُبلی پتلی سی کم عمر لڑکی سفید لباس میں نظر آئی تو تعجب ہوا اور میں نے کہا کہ ''ایہہ کس طرح دی ووہٹی (دُلہن) اے۔''

اس کے بعد مائی کا کو کا بیان ہے کہ ہم نے پھر حضرت اماں جانؓ کی جو شان دیکھی اسے لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔''

سیرت کی اسی کتاب میں عصمت راجہ تحریر کرتی ہیں کہ اُن کی والدہ کی دادی صاحبہ جو مائی کا کو صاحبہ کی بھاوج تھیں کو حضرت اماں جانؓ نے ایک ملاقات میں فرمایا:

''تم میری سہیلی بنو گی۔حضرت اماں جانؓ کی اس شفقت اور محبت بھری گفتگو نے ان سے بے تکلف ملنے کا راستہ کھول دِیا اور دیارِ مسیح میں مائی کا کو صاحبہ اور ان کی بھاوج کا آنا جانا ہو گیا۔''

اسی کتاب میں میری بڑی بہن امتہ الرشید شوکت صاحبہ بیگم ملک سیف الرحمٰن صاحب سابق مفتی سلسلہء احمدیہ تحریر کرتی ہیں کہ میری والدہ سارہ بیگم صاحبہ جو 313 رفقاء میں سے ایک مخلص رفیق میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی کی بیٹی تھیں اور خود بھی انہیں 9 سال کی عمر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار کا شرف حاصل ہوا۔وہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت اماں جانؓ حضرت اُمِّ ناصر صاحبہ کے ہمراہ ہمارے گاؤں سیکھواں تشریف لائیں۔نانا جان اور اُن کے دونوں چھوٹے بھائی اکٹھے ایک جگہ رہتے تھے۔دیہاتی دستور کے مطابق تینوں گھروں میں جو کچھ پکا ہوا تھا اُن کے سامنے رکھا گیا۔آپ نے وہ سادہ کھانا نہایت خوشی سے مزے لے لے کر کھایا۔موٹھ کی کھچڑی جو دیہاتی سردیوں کے موسم میں اکثر کھاتے ہیں بہت پسند فرمائی اور اس کے بعد بھی کبھی کبھی مائی کا کو کے ذریعے اس قسم کی کھچڑی کی فرمائش کر کے منگواتی رہیں۔جو آپ کی بے تکلفی اور مربیانہ سلوک کو ظاہر کرتا ہے۔

مائی کا کو کی زندگی کے حالات لکھنے کی طرف مجھے اس وقت توجہ ہوئی جب میں 1991 کے جلسہ سالانہ پر قادیان گئی تو صاحبزادی امتہ النصیر صاحبہ بیگم پیر معین الدین صاحب مرحوم مجھے بازو سے پکڑ کر دیارِ مسیح کے ایک کمرے کی طرف لے گئیں کہ یہ وہ کمرہ ہے جہاں مائی کا کو رہا کرتی تھیں۔اس کے بعد امریکہ میں مجھے حضرت صاحبزادی امتہ الرشید صاحبہ بیگم میاں عبدالرحیم صاحب مرحوم نے بتایا کہ یہ وہ کمرہ تھا جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چھ ماہ کے روزے رکھے تھے۔اور نور کی مشکیں آبِ زلال کی صورت میں اس کمرے میں انڈیلی گئی تھیں اور آپ کو بتایا گیا تھا کہ یہ نور اُس درود شریف کی وجہ سے انڈیلا گیا ہے جو آپ کثرت سے آنحضرت ﷺ پر بھیجا کرتے تھے۔

مائی کا کو عنفوانِ شباب میں ہی بیوہ ہو گئی تھیں۔بچے بھی صغر سنی میں ہی فوت ہو گئے۔اُن کے سسرال والے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سخت مخالف تھے۔اس لئے جب اُن کے نازیبا الفاظ سُننا برداشت میں نہ رہا تو آپ اپنے بھائیوں کے پاس آ گئیں۔

حضرت صاحبزادی امتہ الرشید بیگم صاحبہ نے مجھے بتایا کہ ایک دن شمس صاحب (مولوی جلال الدین صاحب شمس) کے والد صاحب حضرت اماں جانؓ کے گھر آئے اور میں نے اُن کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اب مائی کا کو آپ کے پاس ہی رہے گی مگر ایک شرط ہے کہ اسکا کھانا ہمارے گھر سے آیا کرے گا اور بتاتی ہیں کہ دُودھ اور رَس ناشتے کیلئے اور کھانا آپ کو باقاعدہ گھر سے پہنچاتے رہے۔

جب انڈونیشیا میں اور پاکستان کے شمالی علاقے میں سونامی اَور زلزلے آئے تو میرے کانوں میں حضرت مسیح موعودؑ کی کئی سال پہلے کی پیشگوئی:

''اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔''

کے الفاظ کافی عرصہ تک گونجتے رہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے پہلے سے ہی متنبہ کیا تھا کہ توبہ کرو تا تم پر رحم کیا جائے۔
مائی کاکو کا دیارِ مسیح میں رہنے کی برکت سے خدا تعالیٰ سے بہت تعلق تھا بظاہر اُن کا ذریعہ آمد کچھ نہیں تھا میرے خیال میں ہر ایک کا کام کر کے خوشی محسوس کرتی تھیں اس لئے لوگ بھی اُن کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔
حضرت صاحبزادی آصفہ مسعودہ بیگم صاحبہ اہلیہ صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب مرحوم نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے چندہ کی تحریک کی۔آپ (مائی کاکوکے) کے پاس کوئی رقم نہ تھی آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر تنہائی میں پورے خشوع وخضوع کے ساتھ دعا میں مصروف ہوگئیں کہ اے اللہ تو مجھے پیسے دے تا میں چندہ میں دے سکوں۔خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس درخت سے ایک کپڑے کی پوٹلی گری جس میں کچھ رقم تھی۔آپ وہ رقم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے پاس لے گئیں کہ یہ چندہ میں لے لیں اور سارا واقعہ بھی سنایا۔آپؓ نے اسکے لئے کافی اعلان کروائے کہ اگر کسی کی رقم ہو تو وہ آ کر لے جائے مگر کوئی نہ آیا۔اور جب کافی عرصہ کے بعد یقین ہو گیا کہ اس کا مالک کوئی زمینی انسان نہیں تب وہ رقم چندہ کیلئے لے لی گئی۔امیر بی بی عرف مائی کاکو کے حالات زندگی میں نے لوگوں سے پوچھ کر اکٹھے کئے ہیں کوئی کہتا ہے انہوں نے دو حج کئے ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ تین بار حج ادا کیا ہے، صحیح تعداد معلوم نہیں ہوسکی۔
حج کے دوران اُن کو جو تکالیف ہوئیں، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے ان کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے اور اسی طرح حج کے دوران چلتے ہوئے وہ دُور کسی ایسے مقام کی طرف چلی گئیں جہاں پر کسی تیز دھار والے اوزار سے انکا پاؤں کٹ گیا۔خود ہی پٹی کر لی اور اپنا سفر مکمل کیا۔واپسی پر ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ کے مشورہ کا اکثر ذکر کیا کرتی تھیں کہ ''چلتی رہو، بیٹھنا نہیں ورنہ پھر چل نہ سکو گی۔دُودھ اور جلیبیاں کھاتی رہو۔''
حضرت اماں جانؓ اکثر پیدل سیر کیا کرتی تھیں۔حضرت صاحبزادی امتہ الشکور بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر مرزا الئیق احمد صاحب سیرت حضرت اماں جانؓ میں بیان کرتی ہیں کہ حضرت اماں جانؓ ہماری قادیان والی کوٹھی النصرت میں پیدل سیر کرتی ہوئی تقریباً روزانہ صبح صبح تشریف لاتیں۔حضرت اماں جانؓ کے ساتھ اکثر مائی کاکو ہوتیں۔وہاں سے پھول اور پھل توڑ کر ہم ٹوکری میں ڈال کر اُن کو دے دیتے۔
نواب محمد علی صاحبؓ اور نواب عبداللہ خان صاحبؓ کا بھی اکثر ذکر کیا کرتیں کہ اماں جانؓ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے دونوں آپ کی بہت عزت کرتے۔ایک دفعہ مالیر کوٹلہ میں بھی حضرت اماں جانؓ آپ کو ساتھ لے گئیں۔آپ کی زندگی اور دیارِ مسیح میں رہ کر خدمت کرنے کے حالات کا مجھے کچھ زیادہ علم نہیں ہو سکا۔آپ بہت ہمدرد اور نیکی کے کام کرنے والی خاتون تھیں۔قادیان میں دارالشیوخ میں جو یتیم لڑکے رہا کرتے تھے اُن کی اکثر دعوت کیا کرتی تھیں۔
مائی کاکو 1868 میں پیدا ہوئیں اور وفات 1953 میں ربوہ میں ہوئی۔آپ کا وصیت نمبر 498 ہے اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں احاطہ خاص کے جنوبی جانب اپنے محبوبوں کے قدموں کی طرف محوِ خواب ہیں۔دلی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند کرے اور اُن کو اعلیٰ علیّین میں جگہ دے، آمین۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُر معارف فارسی منظوم کلام پر تضمین

چودھری محمد علی مضطرؔ عارفی

لائی ہے بادِ صبا اُس پار سے خبرِ عظیم
وہ خدائے لَم یزل جو عرشِ کن پر ہے مقیم
ہے اسی کو علم سارا ہے وہی تنہا علیم
''شانِ احمدؐ را کہ داند جز خداوندِ کریم
آنچناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم''

ہمسر اُو دَر زمین و آسماں مادر نہ زاد
دیکھ کر اس کو پکار اٹھے فرشتے زندہ باد
خوش جمال وخوش خیال وخوش خصال وخوش نہاد
''زاں نمط شد محوِ دلبر کز کمالِ اتحاد
پیکرِ اوؐ شد سراسر صورتِ ربِّ رحیم''

اس کی آہِ نیم شب سے رات کا سینہ ہے چاک
اس کا چہرہ چاند اور سورج سے بڑھ کر تابناک
سرمہءِ چشمِ بصیرت اس کے نقشِ پا کی خاک
''بُوئے محبوبِ حقیقی می دمد زاں روئےؐ پاک
ذاتِ حقّانی صفاتش، مظہرِ ذاتِ قدیم''

کیا بتاؤں تم کو اس کا مرتبہ اس کا کمال
ایک ہی دل میں لگن ہے، ایک ہی دل میں خیال
گالیاں بھی دو اگر مجھ کو، نہیں اس کا ملال
''گرچہ منسوبم کند کس سوئے الحاد و ضلال
چوں دلِ احمدؐ نمی بینم دگر عرشِ عظیم''

تو نے یارب! دی مجھے اس کی غلامی کی سند
وہ غلامی جس کی لذّت کی نہایت ہے نہ حد
مان لے یہ التجا بھی ، الغیاث و المدد!
''دَر رہِ عشقِ محمدؐ ایں سر و جانم رود
ایں تمنا، ایں دُعا، ایں در دلم عزمِ صمیم''

عشق کی منزل کٹھن ہے، راستہ ہے صَعب ناک
مجھ کو ڈر ہے تم نہ ہوجاؤ کہیں رہ میں ہلاک
آؤ کرلو مجھ سے مل کر اس سفر میں اشتراک
''از عنایاتِ خدا وز فضلِ آں دادارِ پاک
دشمنِ فرعونیانم بہرِ عشقِ آں کلیم''

''گرچہ ہوں مَیں بس ضعیف و ناتوان و دل فگار
ہیں درندے ہر طرف، مَیں عافیت کا ہوں حصار
مَیں ہوں وہ نورِ خدا جس سے ہوُا دن آشکار
''منّت ایزد راکہ مَن بر رغمِ اہلِ روزگار
صد بلارامی خَرم از ذوقِ آں عَین النعیم''

مَیں غلامِ احمدِؐ مرسل ہوں اے کرّوبیاں!
دے رہا ہوں اپنے خالق کی بڑائی کی اذاں
قریہ قریہ، ربوہ ربوہ، قادیاں در قادیاں
''آں مقام ورتبتِ خاصش کہ برمن شدعیاں
گفتمے گردیدمے طبعے دریں راہِ سلیم''

تعلیم الاسلام کالج کے تین خوش نصیب ، شہید طالب علم

گاہِ گاہِ باز خواں ایں قصہ ءپارینہ را

پروفیسر محمد شریف خان

تعلیم الاسلام کالج 1905 میں خدائی منشاء کے مطابق احمدی بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کی دعاؤں اور صحابہ کرام کی التجاؤں کے نتیجہ میں خدائی منشاء سے قائم ہوا۔ گو اُسوقت جماعت کی مالی حالت اس ننھے خرچے کو اٹھانے کی متحمل نہیں تھی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل، مسیحِ دوران علیہ السلام کی برکت اور بزرگانِ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی دعاؤں کے طفیل یہ ادارہ نہ صرف قائم ہوا بلکہ جلد جلد ارتقائی منازل طے کرتا ہوا پرائمری، ہائی اسکول کی حدود پھلانگتا ہوا ڈگری اور پوسٹ گریجوایٹ کالج کے طور پر پاکستانی اور بیرونِ ملک متلاشیانِ علم وفضل کی سات دہائیوں سے زائد تک سیرابی کا باعث بنا رہا۔

تعلیم الاسلام کالج میں مروجہ علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی تعلیم کے باعث طلباء کی سوچوں میں وسعت، نیکی، مذہبی اور انسانی اقدار سے محبت، امن اور بھائی چارے کی اہمیت اجاگر ہوئی۔ اسی طرح ادارے میں طلباء کی ذہنی جلاء کے ساتھ ساتھ کھیلوں کے اعلیٰ انتظام کے باعث جسمانی صحت کا خیال بھی رکھا گیا۔ یہ ادارہ ہر قسم کے دنگا فساد، مار پیٹ سے پاک، صحت مند ماحول میں خدائی راہنمائی کے تحت نصف صدی سے زائد خدمتِ خلق سے سرشار نوجوان پیدا کرتا رہا۔ برا ہو تعصب کی اندھی آنکھ کا کہ اچھے بھلے کام کرتے ادارے کو قومیا کر اسے کرپٹ اور اندھے دولت کے پجاری سرکاری اداروں کے سپرد کر کے اس تعلیمی ادارے کا سالوں سے قائم مثالی تدریسی ماحول تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس عظیم مادرِ علمی سے فارغ التحصیل طلباء زندگی کے ہر شعبہ میں ملک وملت کی خدمت کرتے اور کر رہے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے بیرونِ ملک کٹھن سے کٹھن امتحانوں میں سرخرو ہو کر عزت و آبرو سے انسانی خدمت کر رہے ہیں۔

یہاں تعلیم الاسلام کے تین ہونہار طلباء کا ذکر کرنا مقصود ہے جنہوں نے طالب علمی کے دوران اپنی مفوضہ ڈیوٹی اور عقیدہ کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی جان تک کا نذرانہ بلا دریغ خدا تعالیٰ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور رہتی دنیا تک امر ہو گئے۔

محمد منیر خان شامی شہید (1932۔1947)

یہ نوجوان محترم ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب ابو حنیفی کے منجھلے بیٹے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے واقفِ زندگی تھے۔ انہیں جماعت کی طرف سے سائنس کے مضامین میں ایم ایس سی کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ 1947ء میں، تعلیم الاسلام کالج قادیان میں بی ایس سی کے پہلے سال کے طالب علم تھے۔ سائنس کا طالب علم ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا ادبی مطالعہ بھی بہت وسیع تھا اور صاف ستھرا علمی ذوق رکھتے تھے۔ انگریزی اور اردو کتب، رسائل و جرائد آپ کے مطالعہ میں رہتے۔ آپ اپنے محلے کی مجلس خدام الاحمدیہ کے فعال رکن تھے۔ اور محلّہ میں شریف نوجوان کے طور پر جانے جاتے تھے۔ کالج کے طلباء کے ساتھ مل کر بزمِ سخن بنائی ہوئی تھی جس

کے ہفتہ واری اجلاسات میں ہرممبر گزشتہ ہفتہ کے دوران اپنے مطالعہ کا ما حصل پیش کرتا۔اس طرح ہلکی پھلکی تحریریں پیش کر کے صحت مند علمی تفریح مہیا کی جاتی۔ یہ دور سیاسی لحاظ سے بڑے فساد کا دور تھا۔ اسرائیل کی ریاست قائم کی جا رہی تھی ۔ ملک میں تحریکِ آزادی آئے دن رخ بدل رہی تھی ۔ عربوں کے ساتھ مسلمانانِ عالم کے دل دھڑ کتے تھے ۔ چنانچہ عربوں سے ہمدردی کے اظہار کے طور پر منیر نے اپنے نام کے ساتھ ''شامی'' کا لاحقہ لگا لیا تھا اور اپنے حلقۂ احباب میں ''محمد منیر خان شامی'' کے نام سے جانے جاتے تھے۔ والد ملازمت کے سلسلے میں افریقہ میں مقیم تھے۔گھر اور چھوٹے بہن بھائیوں کی نگرانی بھی منیر کے سپرد تھی۔

1947 کے پرآشوب دور میں ملکی بٹوارے کے وقت جب قادیان کی آبادی پاکستان منتقل ہو رہی تھی ،نوجوانوں کو آبادی کے انخلاء میں مدد دینے کے لئے اپنے محلوں میں ٹھہرے رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔سکھ بار بار حملے کر رہے تھے۔گھر میں دونالی بندوق تھی ،منیر نے دن کے وقت تو سکھوں کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔آخر کار سکھوں نے رات کے اندھیرے میں موقعہ پا کر اُن کو شہید کر دیا۔جب صبح خدام منیر کی خیریت معلوم کرنے گئے تو دیکھا کہ منیر چاروں شانے چت صحن میں خون سے لت پت پڑے تھے، پیٹ چاک تھا، انتڑیاں باہر نکلی ہوئی تھیں۔اور ان کی روح کب کی قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی،اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جب منیر کے والد ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب کو اپنے جواں سال بیٹے کی شہادت کی خبر دیارِ غیر افریقہ میں ملی تو انہوں نے خدا تعالیٰ کی توفیق سے یہ صدمہ بڑی بہادری سے سہا ع

ایں سعادت بزور بازو نیست

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ علیہ نے ' تذکرہ شہدائے احمدیت' ' کے سلسلہ خطبات میں 11 جون 1999ء کو مسجد فضل لندن میں از راہِ شفقت محمد منیر خاں شامی شہید کا تذکرہ درجِ ذیل پرُشفقت الفاظ میں فرمایا:

''مکرم محمد منیر صاحب شامی مکرم ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب ابوحنیفی کے ہاں تنزانیہ میں 1932ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی ۔ 1947ء کے دوران آپ تعلیم الاسلام کالج قادیان میں بی ایس سی کے طالب علم تھے۔آپ واقفِ زندگی تھے اور عربوں سے اپنی ہمدردی کی وجہ سے آپ کو لوگوں نے شامی مشہور کر دیا حالانکہ ملکِ شام سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن عربوں سے محبت ضرور تھی۔

اوصافِ حمیدہ

آپ خاموش طبع محنتی طالب علم تھے۔ انگریزی زبان پر عبور حاصل تھا۔جماعت سے انتہائی محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔امامِ وقت کے ہر حکم پر لبیک کہنے والے تھے۔مطالعہ کا بہت شوق تھا۔مکرم ماسٹر چوہدری فضل داد صاحب مرحوم لائبریرین بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کالج لائبریری کی تمام کتب پڑھ لی تھیں۔

واقعہ قربانی

آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کے مطابق اپنے گھر دارالرحمت قادیان بر مکان پروفیسر مولانا خان ارجمند خان صاحب مرحوم محلّہ کی حفاظت کے سلسلہ میں مقیم تھے۔گھر میں دونالی بندوق تھی۔ اِدھر اُدھر سے سکھوں کے ہونے والے حملوں کے دوران خوب مقابلہ کرتے رہے۔ ایک رات سکھوں نے ان کے گھر کی دیوار پھاند کر اندھیرے میں آپ پر حملہ کیا اور آپ کو قربان کر دیا۔جب خدام کو حکم ہوا کہ وہ ہوسٹل میں جمع ہو جائیں تو آپ کو نہ پا کر بہت پریشان ہوئے جب پتہ کیا گیا تو آپ کو گھر کے صحن میں چت پڑا پایا گیا۔آپ کی انتڑیاں باہر نکل چکی تھیں اور آپ اللہ کی راہ میں قربان ہو چکے تھے۔اِ نَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کے والد صاحب جو اِن دنوں تنزانیہ میں تھے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت مخلص انسان تھے۔ دراصل ان سے اخلاص ورثہ میں پایا تھا۔ان کی ڈائری کے اندراج بتاریخ 3 ستمبر 1947ء یہ پرخلوص عبارت درج ہے:

''آج قادیان میں عزیز محمد منیر خاں شامی نے شہادت کی سعادت پائی ۔ الحمدللہ رب العالمین''۔

پسماندگان

آپ غیر شادی شدہ تھے، آپ کے تین بھائی اور ایک بہن زندہ ہیں۔ سب سے بڑے بھائی ڈاکٹر محمد حفیظ خان صاحب آج کل ٹورانٹو میں رہتے ہیں۔ ان کے دو چھوٹے بھائی بھی تھے۔ محمد معین خان صاحب لاہور (حال مقیم میامی۔ فلوریڈا، امریکہ۔ ناقل) میں اور پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خان صاحب ربوہ (حال مقیم فلاڈلفیا، امریکہ۔ ناقل) میں مقیم ہیں۔ جب کہ ان کی بہن خدیجہ بیگم صاحبہ مانٹریال میں آباد ہیں۔

(الفضل ربوہ۔ مورخہ 7 ستمبر 1999)

محمد منیر خان صاحب شہید خاکسار راقم کے بڑے بھائی تھے۔ والد صاحب ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب مرحوم اپنی زندگی کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے۔ ''ڈوڈوما۔ تنزانیہ کے ہسپتال میں ایک دن ادھر اُدھر جاتے ہوئے میرا پاؤں پھسل گیا تو دوسرے ڈاکٹروں نے جو سب انگریز تھے مزاحاً فقرہ بازی کی '' لگتا ہے ڈاکٹر خان کے بچے رات کے وقت خان کو سونے نہیں دیتے، اس لئے دن کے وقت پھسل پھسل پڑ رہا ہے۔ بھلا ہمیں بتاؤ تو سہی اتنے بچوں کا کیا کرو گے؟''

میں نے انہیں جواب دیا:

"God willing I will make of them a doctor, an engineer, a clergy man and a teacher"!

(انشاء اللہ، میں ان میں سے ایک ڈاکٹر، ایک انجینئر ایک مولوی اور ایک استاد بناؤں گا)۔ پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتے۔ '' اللہ تعالیٰ نے میری خواہش کو بہتر رنگ میں پورا کیا اور مجھے ان بچوں میں سے ایک شہید بھی عطا کر دیا۔ فالحمدُ للہ علیٰ ذالک۔''

محترم میاں جمال احمد صاحب شہید، لاہور

آپ محترم مستری نذر محمد صاحب آف بھاٹی گیٹ لاہور کے صاحبزادے تھے۔ آپ 17 سالہ خوبصورت نوخیز نوجوان تھے اور تعلیم الاسلام کالج لاہور کے ایف ایس سی کے ذہین طالب علم تھے۔ خدام الاحمدیہ بھاٹی گیٹ کے مستعد رکن تھے۔ سکاؤٹ تھے۔ کالج کی ہاکی اور فٹ بال ٹیم کے ممبر تھے۔ جب حضور لاہور تشریف لاتے تو ہمہ تن ڈیوٹی کے لئے حاضر رہتے۔ اپنی خوش اخلاقی اور شرافت کے باعث دوستوں اور دشمنوں میں برابر چاہے جاتے تھے۔

1953 کے پر آشوب زمانہ میں جب لاہور شہر کے فتنہ پردازوں کی احمدیوں کے خلاف فتنہ وفساد کی بھڑکائی ہوئی آگ پاکستان بھر میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ مستری نذر محمد صاحب کا لکڑی کا آرا جو چوک یادگار کے قریب ٹیکسالی گیٹ لاہور کے سامنے تھا فتنہ گروں نے 6 مارچ 1953 کے دن جلا دیا، مستری صاحب آرے کا پتہ کرنے کیلئے جاتے وقت جمال کو کہہ گئے کہ گھر والوں کا پتہ کر آئے جنہیں حفاظت کی غرض سے رشتہ داروں کے ہاں محلّہ رنگ محل میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

یہ جمعہ کا دن تھا، میاں جمال احمد صاحب گھر والوں کی خیریت معلوم کرنے کے لئے نکلے تو سامنے سے فتنہ پردازوں کا جلوس آتے ہوئے ملا۔ جلوس میں میاں صاحب کے محلے کے لوگ بھی شامل تھے۔ جنہوں نے جمال احمد کو پکڑ لیا۔ اور پکارنے لگے: '' یہ مرزائی ہے اسکو مارو''۔ کچھ لوگوں نے جمال کو از راہِ ہمدردی کہا، '' کہہ دو تم احمدی نہیں ہو، ہم تمہیں چھوڑ دیتے ہیں'' مگر جمال نے انکار کر دیا۔ آخر ایک صاحب نے قریب آ کر کہا کہ '' مجھے کان میں ہی کہہ دو کہ تم احمدی نہیں ہو میں تمہیں چھڑوا لیتا ہوں''۔ مگر جمال صاحب نے جواباً بڑی جرأت سے کہا: '' میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی ہوں، اور اپنی جان بچانے کے لئے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ تم نے جو کچھ کرنا ہے کرلو''۔ اس پر تمام مجمع آپ پر پتھروں اور چاقوؤں سے آن کی آن میں حملہ آور ہوا اور آپ کو موقعہ پر ہی شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ علیہ نے اپنے خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل 3 ر اگست 1999 میں میاں جمال احمد کا واقعہ شہادت از راہِ شفقت بیان فرمایا۔

مبشر احمد صاحب چندھڑ شہید۔ گکھڑ منڈی

گکھڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ کے مقامی گھرانوں میں چندھڑوں کا گھرانہ سب

سے نمایاں تھا۔ چندھڑ خاندان کے جدّ امجد چوہدری نواب خان جھنگ میگھیانہ میں سکونت پزیر تھے۔انکی شادی سیالکوٹ کے ایک احمدی گھرانے میں ہوئی اور وہ احمدی ہو گئے۔جب انکے بھائیوں کو یہ خبر ہوئی۔تو ان کی جان کے دشمن ہو گئے۔ایک سکھ کو انعام کا لالچ دے کر چودھری صاحب کا سر لانے کی سازش کی گئی۔خدا تعالیٰ نے چوہدری صاحب کو دشمن کے وار سے بچایا۔ ان حالات کے پیشِ نظر سارا خاندان ہجرت کر کے گکھڑ آبسا۔ جہاں زمینوں اور آڑھت کی آمد سے گزر بسر ہونے لگی۔

مجھے یہاں چوہدری صاحب کے بیٹے امانت علی صاحب مرحوم کے ہونہار بیٹے مبشر احمد کا ذکر کرنا مقصود ہے۔عزیزم مبشر احمد نے گکھڑ ہائی اسکول سے اغلبًا 1962 میں میٹرک امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔والدین نے اچھی تعلیم اور تربیت کی خاطر تعلیم الاسلام کالج ربوہ ایف ایس سی میں داخل کروا دیا، اگر چہ ارد گرد گوجرانوالہ اور وزیر آباد میں کالج مہیا تھے۔عزیزم خوبصورت، صحت مند، ہنس مکھ منفرد نوخیز جوان تھا۔میں ذاتی طور پر عزیزم کو بچپن سے جانتا ہوں۔عزیزم کا ہنستا ہوا چہرہ اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔اسکی طبیعت میں ایک طرح کا ہلکا پھلکا مزاح تھا۔ بزرگوں کے ساتھ ہمیشہ مؤدب رہتا۔مجلس اور جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا۔

مبشر احمد نے اپنی لیاقت اور خوش خُلقی کے باعث کالج میں سب کا دل موہ لیا تھا۔عزیزم مبشر احمد موسمِ گرما کی چھٹیاں گزارنے گھر آیا ہوا تھا۔ایک دن بازار میں سے گزر رہا تھا کہ ایک اوباش قصائی عزیزم کے پیچھے چھری لیکر دوڑ پڑا اور مبشر احمد احمدیت پر جان نثار کرنے کا فخر حاصل کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ان دنوں حضرت میاں ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ، کراچی گئے ہوئے تھے جب انہیں مبشر احمد کی شہادت کی اطلاع ملی تو اسکا احوال مکرم پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب سابق پرنسپل تعلیم الاسلام کالج تاریخِ احمدیت جلد10 صفحہ 143 پر بیان کرتے ہیں:

''جب مرحوم مبشر احمد گکھڑ جو بے حد ذہین طالب علم تھا،قتل ہوا۔اور آپ کی خدمت (پرنسپل صاحب۔ناقل) میں شام کو کراچی میں ضمناً ایک لڑکے مبشر احمد کی اطلاع کی گئی تو رات گئے غالبًا بارہ ایک بجے کا عمل ہوگا کہ آپ کا فون آیا کہ تفصیل بتائی جائے۔آپ نے فرمایا ''مجھے نیند نہیں آرہی اور بے حد بے چینی ہے۔کیا یہ مبشر احمد وہ تو نہیں جو ہر وقت مسکراتا رہتا تھا؟''افسوس کہ یہ وہی مبشر احمد تھا جس کی وفات پر آپ اس طرح بے چین ہو گئے اور کراچی سے فون کیا''۔

اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود جب بھی عزیزم مبشر احمد کی یاد آتی ہے،طبیعت پر ایک خاص قسم کی افسردگی چھا جاتی ہے۔اور بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز شہید کو اپنی رضا کی چادر میں لپیٹ لے،آمین۔

بزرگانِ احمدیت کی دعاؤں کے طفیل ان تین پھول چہرہ نوجوان جان نثاران احمدیت کے علاوہ ہزاروں تعلیم الاسلام کے طلباء، پاکستان میں اس گئے گزرے لوٹ کھسوٹ کے دور میں بھی بلا لالچ وطمع ملک وقوم کی بے لوث خدمت کر رہے ہیں اور بیرونِ ملک اپنی محنت اور کام سے لگن اور خلق اللہ سے ہمدردی کے باعث ملک وملت کے لئے نیک نام ہیں۔یہ سب احبابِ جماعت کی دعاؤں کے محتاج ہیں،اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات بلند فرمائے اور باقی افراد کو مقبول خدمت کی توفیق عطا ہو اور خدا تعالیٰ انکا حامی وناصر ہو، آمین۔ان جیسے جان نثار فرزانوں کے بارے میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

آں رسمِ قتیلانِ محبّت کہ کُہن گشت
ما تازہ کُنیم از سرِ نو دارو رسن را
آں منزلِ خُوں بار کہ شُد مقتلِ عشّاق
از مقصد ما ہست بصد جوشِ تمنّا

اگر چہ دنیا محبت الٰہی سے سرشار ہو کر جان قربان کرنے والوں کی روایات کو بھول چکی ہے،مگر ہم نے قرونِ اولیٰ کی ان روایات کو از سرِ نو تازہ کر دیا ہے۔ حق وصداقت کے عاشق جہاں اپنی جانیں نثار کرتے رہے ہیں،اُسی قربان گاہ تک رسائی تو ہماری زندگی کا نصب العین ہے۔

مکرم سعید احمد صاحب کوٹری راہِ مولیٰ میں قربان ہو گئے

احبابِ جماعت کو بڑے افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ مکرم سعید احمد صاحب کوٹری ضلع حیدرآباد کو مورخہ 19 جنوی 2009 کو نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے راہِ مولیٰ میں قربان کر دیا۔ وقوعہ کے روز عشاء کے بعد کام سے فارغ ہو کر گھر پہنچے۔ گھر کا دروازہ کھلنے پر اندر داخل ہونے کیلئے دہلیز پر قدم رکھا ہی تھا کہ اندھیرے میں قریب کھڑے شخص نے کنپٹی پر پسٹل سے فائر کر دیا جس سے موقعہ پر وفات ہوگئی۔ حملہ آور فرار ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مرحوم کی عمر 55 سال تھی۔ نہایت شریف النفس انسان تھے۔ مہمان نواز اور جماعتی خدمت کرنے والے تھے کسی سے کوئی لین دین یا جھگڑا نہ تھا۔

اگلے روز گوندل فارم احمدیہ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ جنازہ میں کثیر تعداد میں احباب نے شرکت کی۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ 23 جنوری 2009 میں ان کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے فرمایا:

’’آج پھر میں ایک افسوسناک خبر سنا رہا ہوں کہ ہمارے ایک احمدی بھائی مکرم سعید احمد صاحب جو مکرم چوہدری غلام قادر صاحب اٹھوال کے بیٹے تھے کوٹری شہر میں رہتے تھے ان کو وہاں شہید کر دیا گیا۔ رات کو تقریباً نو بجے جہاں وہ کام کرتے تھے وہاں سے واپس جا رہے تھے گھر کے دروازے میں داخل ہوتے وقت کسی نے کنپٹی پر گن یا پسٹل رکھ کے فائر کیا جس سے آپ موقعہ پر ہی شہید ہو گئے۔ بڑے خدمت خلق کرنے والے تھے۔ ان میں خدمت خلق کا نمایاں جذبہ تھا۔ کسی کی بیماری کا پتہ چلتا تو اس کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتے۔ نہایت سادہ طبیعت رکھنے والے مخلص انسان تھے اور محنتی بھی بڑے تھے ہر قسم کا کام کر لیتے تھے کوئی عار کبھی نہیں سمجھا۔ مہمان نوازی کی صفت بھی بہت نمایاں تھی۔ صبر اور حلم بھی بہت تھا کسی کو غصے میں بھی جواب نہیں دیا۔ بلکہ خاموش رہتے ہی آپ کی تدفین ہوئی ہے۔ 2 بیٹیاں اور 2 بیٹے یادگار چھوڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور بیوی بچوں کو صبر اور حوصلہ دے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا ابھی میں ان کی نماز جنازہ نمازوں کے بعد پڑھاؤں گا۔

کیٹا کومبز

---اصحابِ کہف کی غاریں---

ڈاکٹر حافظ محمد اسحٰق خلیل

شہرِ روم کے بیرونی حصہ میں زمین دوز سڑکیں بھول بھلیوں کی طرز پر بنائی گئی ہیں۔ یہ وہی زمین دوز راستے ہیں جو بعد میں ''کیٹا کومبز'' کے نام سے موسوم ہوئے۔ صحائف قمران کی طرح یہ کیٹا کومبز ابتدائی کلیسا کی تاریخ مرتب کرنے میں بہت ممد و معاون ثابت ہونے کے علاوہ نہایت درجہ دلچسپ بھی ہیں۔ کیٹا کومبز کے لفظی معنی معلوم نہیں ہو سکے۔ اغلبًا یہ کسی ضلع کا نام تھا۔

شہرروم کے اندر اندر کوئی میّت دفنانے کی اجازت نہ تھی۔ بڑے بڑے مقبرے شہر کے باہر سڑکوں کے کنارے بہت خوبصورت اور مرصّع بنائے جانے کا رواج تھا۔ جہاں روم کے معزز خاندانوں کے افراد کی تدفین ہوتی تھی۔ روم میں بسنے والے مسیحیوں کو زیادہ جاذبِ نظر بننے کا شوق نہیں تھا اسلئے انہوں نے اول اول کیٹا کومبز قبرستان کے طور پر بنائیں۔ اسطرح سے خصوصیت کے ساتھ چھپ سکنے کیلئے کوئی جگہ بنانا مقصود نہیں تھا۔ کیونکہ مقبرہ بنانے سے قبل اُسے سرکاری طور پر رجسٹرڈ کروانا ضروری ہوتا تھا۔ اور حکام کو گورستاں کے محلِ وقوع سے اطلاع دینا ضروری قرار دیا گیا تھا۔

جب کسی قوم کو ایک خاص جگہ میں مرحومین کو دفنانے کی اجازت مل جاتی تو رومی قانون کی رُو سے وہ قطع زمین واجب التکریم سمجھا جاتا تھا۔ اور اس میں ناجائز مداخلت کرنے والے کو مذہبی بے حرمتی کی بناء پر سخت سزا دی جاتی تھی۔ کیٹا کومبز عجیب و غریب مقامات ہیں۔ ایک ڈھلوانی سطح والے راستے پر بھول بھلیوں کی طرز پر سیڑھیاں بنائی گئی ہیں، جہاں مقابر ہیں۔ وہاں مشعلیں بنائی گئی ہیں۔ اور کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے کمرے نظر آتے ہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے راستے اور کمرے ان مشعلوں سے روشن کئے جاتے ہیں جو دیواروں کے ساتھ پیوستہ ہیں۔

ماحول میں افسوس، اداسی اور غمنا کی نام کو نہیں کیونکہ دیواروں پر ایسی تصویریں اور تحریریں موجود ہیں جو ابتدائی چار صدیوں کے مسیحیوں کیلئے اُمید اور خوشی کی پیغامبر ہیں۔ چھتوں اور دیواروں پر خوبصورت پھل پھولوں کی مینا کاری کی گئی ہے۔ ان میں سے بعض تصویریں تو سنسنی خیز بھی ہیں۔ مثلاً فاختہ کے منہ میں ناریل کی پتی دکھائی گئی ہے جس سے مراد رُوح القدس یا تمام ارواح کا آسمان کی طرف اُڑ جانا ہے۔ یسوع مسیح کو صلیب پر ایک ایسے چرواہے کی شکل میں دکھایا گیا ہے جو ایک گمشدہ برّہ اپنے کندھے پر اُٹھائے ہوئے ہے۔ صلیب اس زمانہ میں بطور مذہبی علامت شمار نہیں ہوتی تھی، صرف ایک لنگر (Anchor) ہوتا تھا جو مسیح پر یقین اور اُمید کے اظہار کے طور پر قبروں پر کھودا جاتا تھا۔ اس سے عہد نامہ جدید کی اس عبارت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے:

''ہم اس امید پر آسرا کرتے ہیں جو ہماری روح کے لنگر کے طور پر ہے۔''

(عبرانیوں 19-5/18)

بعض جگہ پر جہاز کی تصویر کو بطور علامت استعمال کیا گیا ہے۔ سب سے بڑھ کر عجیب و غریب علامت ''مچھلی'' کی ہے۔ جو غالبًا یسوع مسیح کے نام کی

قائم مقامی کررہی ہے کیونکہ مچھلی کو یونانی زبان میں JCHTHVS کہتے ہیں۔اس یونانی لفظ کا ہر ایک حرف ایک لفظ کی قائم مقامی کررہا ہے اور مسیحی عقیدہ کی ترجمانی کرتا ہے۔J سے مراد Jesus، CH سے مراد Christ TH سے مراد God، اور V اور S سے مراد Son & Saviour ہے یعنی Jesus Christ, God, Son & Saviour۔ ملاحظہ ہو کہ صرف مچھلی کی تصویر سے کتنے معنی اخذ کرلئے گئے ہیں۔جہاں جہاں بھی رومی کھنڈرات دریافت ہوئے ہیں ان مقامات پر اس مچھلی کا نشان آویزاں ہے۔

مندرجہ بالا حروف سے الفاظ کی تعبیر نکالنا صرف عقیدہ کی خوش فہمی ہے۔ اگرچہ مسیح کا صلیب سے زندہ بچ جانا دکھانا چاہتے ہیں مگر زیادہ قرینِ قیاس یونس کا معجزہ ہوسکتا ہے۔کتبوں اور دیواروں پر نہایت درجہ دیدہ زیب تصاویر بنائی گئی ہیں۔جن میں سے بعض بائبل میں مذکورہ واقعات پر مبنی ہیں۔ مصائب اور خطرات سے بچنے، قبولیت دعا اور مغفرتِ الٰہی کے واقعات کو مدِّنظر رکھا گیا ہے، مثلاً یونس علیہ السلام اور مچھلی کی تصویر، نوح علیہ السلام کشتی میں، تین نوجوان دہکتی آگ کی کھائیوں میں، دانیال نبی شیر کی کچھار میں، اور ایک جگہ پر موسیٰ علیہ السلام پتھر پر اپنا عصا مارتے ہوئے۔عہد نامہ جدید کے واقعات پر مشتمل تصاویر نادرالوقوع ہیں۔روٹی اور مچھلی کا معجزہ (جو بعض کے نزدیک EUCHRIST کا قائمقام ہے)۔ ماگی کی مناجات، عشائے ربانی کا مُردوں سے زندہ ہونا نیز بیماروں کی شفایابی کے واقعات یسوع مسیح کی قوت شفا کا اظہار تصویری پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ جاہل اور ان پڑھ لوگوں کیلئے یہ تصاویر نہایت درجہ مفید تھیں کیونکہ یہ عہد نامہ قدیم و جدید کی کتابوں کی کمی کو بخوبی پورا کرتی تھیں۔بعض مناظر ایسے بھی ہیں جو اب تک پوری طرح سے سمجھے نہیں جاسکے؛ مثلاً کھانا کھانے کے بعض مناظر ابھی تک معلوم نہیں ہوسکے کہ اُن سے کیا مراد ہے؟

دیواروں پر تصویر کشی مہارت وفن کا پورا نمونہ ہے۔بعض اوقات غیر مذاہب والوں سے ہدایات لے کر تصاویر بنائی گئی ہیں۔لیکن بعض اوقات عیسائیوں نے بھی یہ کام اپنی سکیم کی خاطر سرانجام دیا۔تصویر کشی کیلئے فنی مہارت کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ تاہم بعض لوگوں نے خوشخطی سے بھی تصویریں بنادی ہیں۔ یا بعض نشانات چٹانوں پر کندہ کردیئے ہیں۔ یہ تحریریں اور تصویریں بعض ایسے عام آدمیوں کے حالات بتاتی ہیں جو تاریخ میں مذکور نہیں۔ ایک کتبہ پر کسی نجّار نے اپنے اوزاروں کی تصویریں کھینچی ہیں۔ یہ چیزیں اسکے مرنے کے بعد وہیں رکھی تھیں۔ بعد میں اسکے رشتہ داروں نے اسکی تصویر بھی بنادی۔

ایک اور پتھر پر شراب کشید کرنے کے آلات اور کشیدگی کی تصویر ہے ساتھ ہی گادریتس کے بھائی کی یہ تحریر لکھی ہوئی ہے:

گادریتس کے نام، اسکے بھائی نے یہ تصویر بنائی۔''

(مرسلہ: محمد ادریس چودھری، جارجیا)

سر سے میرے پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں

سر سے میرے پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں
اے مرے بدخواہ کرنا ہوش کر کے مجھ پہ وار

کیا کروں تعریف حسنِ یار کی اور کیا لکھوں
اک ادا سے ہوگیا میں سَیلِ نفسِ دُوں سے پار

اس قدر عرفاں بڑھا میرا کہ کافر ہوگیا
آنکھ میں اُس کی کہ ہے وہ دُورتر از صحنِ یار

اس رُخِ روشن سے میری آنکھ بھی روشن ہوئی
ہوگئے اسرار اُس دلبر کے مجھ پر آشکار

کیا تماشہ ہے کہ میں کافر ہوں تم مومن ہوئے
پھر بھی اس کافر کا حامی ہے وہ مقبولوں کا یار

(از دُرِّثمین)

پیشگوئی مصلح موعود کے سلسلہ میں

ایک ضروری وضاحت

عطاء المجیب راشد۔امام مسجد فضل۔لندن

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے نشانوں میں سے ایک اہم اور غیر معمولی عظمت کا حامل نشان پیشگوئی مصلح موعود سے تعلق رکھتا ہے۔اس نشان کو اجاگر کرنے اور اس کا تذکرہ کرنے کے لئے جماعت میں یہ طریق جاری ہے کہ ہر سال 20 فروری کو یا اس کے قریبی دنوں میں جلسے منعقد کئے جاتے ہیں جن میں پیشگوئی سے متعلق مختلف پہلوؤں کا تذکرہ ہوتا ہے۔
اس ضمن میں دیکھا اور سنا گیا ہے کہ اکثر یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سے تعلق رکھنے والی پیشگوئی (جس کا اعلان 20 فروری کو ہوا) سبز رنگ کے کاغذات پر شائع کی گئی جس سے مراد عام طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''سبز اشتہار'' لی جاتی ہے۔یاد رکھنا چاہئیے کہ یہ بات اس طرح پر نہیں بلکہ اس سلسلہ میں کسی قدر وضاحت کی ضرورت ہے۔
یہ بات تو درست ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم الشان پیشگوئی عطا فرمائی تو آپ نے 20 فروری 1886 کو اس بارہ میں ایک نوٹ تحریر فرمایا جو یکم مارچ 1886 کو اخبار ریاض ہند کے ضمیمہ کے طور پر شائع ہوا۔یہ اخبار عام سادہ کاغذوں پر چھپا تھا۔سبز رنگ کے کاغذ نہ تھے۔بعد ازاں اس سلسلہ میں 22 مارچ 1886 کو ایک اور اشتہار بھی شائع ہوا جس میں یہ وضاحت درج تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر بھی دی ہے کہ یہ فرزند موعود نو سال کے عرصہ کے اندر اندر ضرور پیدا ہو جائے گا۔

اس کے بعد جو واقعات رونما ہوئے وہ ترتیب وار درج ذیل ہیں:

① حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاں ایک بیٹی عصمت کی ولادت 15 اپریل 1886 کو ہوئی (جو 1891 میں فوت ہو گئی)۔اس کی ولادت پر مخالفین نے اعتراض کیا جس کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دیا کہ ہرگز یہ نہیں کہا گیا تھا کہ پہلا بچہ ہی موعود فرزند ہو گا۔ہاں فرزندِ موعود اپنی مقررہ مدت کے اندر اندر کسی وقت ضرور پیدا ہو جائے گا۔

② بعد ازاں 7 اگست 1887 کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔جس کا نام بشیر (اول) رکھا گیا۔یہ بیٹا 4 نومبر 1888 کو فوت ہو گیا۔اس بیٹے کی وفات پر ایک بار پھر غیر از جماعت مخالفین نے سخت شور و غوغا کیا اور طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیا کہ دیکھو یہ پیشگوئی ایک بار پھر جھوٹی ثابت ہوئی۔پہلے بیٹے کی بجائے بیٹی پیدا ہوئی۔اور اب بیٹا پیدا تو ہوا لیکن لمبی عمر پانے کی بجائے چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گیا ہے۔

اپنی نادانی اور مخالفت میں ان لوگوں نے سخت بدزبانی کی اور پیشگوئی کے غلط ہونے کے دعوے کرتے ہوئے بغلیں بجانے لگے۔

③ اس موقع پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یکم دسمبر 1888 کو ایک مختصر رسالہ تحریر فرمایا جس کا عنوان تھا ''حقانی تقریر بر واقعہ وفات بشیر''۔اس میں آپ نے اس پیشگوئی کے مضمون کی ایک بار پھر وضاحت فرمائی اور بہت تحدی اور جلال سے تحریر فرمایا کہ فرزندِ موعود (جو بے شمار خوبیوں کا مالک ہوگا) کی ولادت کا وعدہ خدائے ذوالجلال والاکرام کی طرف سے ہے اور یہ وعدہ اپنے وقت پر مقررہ مدت کے اندر لازماً پورا ہو کر رہے گا۔فرزندِ موعود کی ولادت کے بارہ میں آپ نے تحریر فرمایا:

''خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا۔زمین آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں''

(سبز اشتہار صفحہ7 حاشیہ ۔روحانی خزائن جلد2 ص453)

یہ مختصر رسالہ سبز رنگ کے کاغذات پر شائع کیا گیا اور اسی مناسبت سے اس رسالہ کا نام ''سبز اشتہار'' رکھا گیا۔اور اسی نام سے یہ جماعت میں معروف ہے۔

④ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے 12 جنوری 1889 کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک فرزند سے نوازا جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے بعد ازاں آپ پر واضح فرمایا کہ یہی وہ فرزندِ موعود ہے جو اس پیشگوئی کا حقیقی مصداق ہے۔اس بیٹے کا نام محمود احمد رکھا گیا جو جماعتی لٹریچر میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانیؓ) کے نام سے معروف ہیں۔

الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات پوری ہوئی اور اس کی عطا فرمودہ پیشگوئی بڑی عظمتِ شان اور جلال کے ساتھ اپنے وقتِ موعود پر پوری ہوئی اور آپ کے وجود میں وہ سب نشانیاں پوری آب و تاب کے ساتھ ظہور پذیر ہوئیں۔جن کا اس پیشگوئی میں ذکر کیا گیا تھا۔

اس پیشگوئی کے تعلق میں مندرجہ ذیل تاریخیں یاد رکھنے کے لائق ہیں۔

☆ مصلحِ موعود والی پیشگوئی 20 فروری 1886 کو لکھی گئی۔ اخبار میں اشاعت یکم مارچ 1886 کو ہوئی۔

☆ 22 مارچ 1886 کو بذریعہ اشتہار یہ وضاحت کی گئی کہ فرزندِ موعود نو سال کے عرصہ میں پیدا ہوگا۔

☆ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاں بیٹی عصمت کی پیدائش 15 اپریل 1886 (وفات 1891)

☆ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاں ایک بیٹے بشیر (اوّل) کی ولادت 7 اگست 1887 کو ہوئی۔یہ بیٹا 4 نومبر 1888 کو فوت ہوگیا۔

☆ سبز اشتہار کی اشاعت یکم دسمبر 1888 کو ہوئی جس میں یہ تحدی کی گئی کہ فرزندِ موعود نو سالہ مدت کے اندر اندر لازماً پیدا ہوجائے گا۔

☆ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی ولادت 12 جنوری 1889 کو ہوئی جن کے ذریعہ یہ عظیم الشان پیشگوئی بڑی وضاحت اور شان کے ساتھ پوری ہوئی۔الحمد للہ علیٰ ذالک۔